

دولتِ اصفیہ  
اور  
حکومتِ برطانیہ

سیاسی تعلقات کی تاریخ پر ایک نظر

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت ہر

۲۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء	ایک ہزار	پہلا ایڈیشن
جولائی ۱۹۳۱ء	ایک ہزار	دوسرا ایڈیشن

## جس کتاب پر

سید علی شہباز حاتمی یا محمد اقبال سلیم گاہندی  
 کے قلمی دستخط نہیں ہوں گے وہ مسرودہ سمجھی جائے گی

نمبر ۱۲۵  
 دستخط

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سر جان میکیم کے بقول دولت آصفیہ پوری بٹش انڈین امپائر کا مرکز نقل ہے  
 سلطنت کے اندر ایک سلطنت جو تقریباً ۱۳ ملین انسانوں پر حکمران ہو جس کے حدود  
 کی وسعت یورپ کی جلیل القدر سلطنتوں کے برابر ہو جس کو اپنی رعایا پر کمال حاکمیت  
 مطلقہ حاصل ہو ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کی اہمیت کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جاسکے  
 ایک ایسی طاقتور سلطنت نے کس طرح برطانوی حمایت (Protection) کو  
 قبول کر لیا اور اپنی خارجی آزادی اور فوجی استقلال کو اپنے مساوی الدرجہ بلکہ ابتداء  
 باجگذا حلیف کے سپرد کر دینے پر رضی ہو گئی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو قدرتی طور پر  
 پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ڈیڑھ صدی سے زیادہ کے حلیفانہ تعلقات میں دونوں سلطنتوں  
 کے درمیان کس قسم کے تعلقات رہے ہیں؟ اور دونوں نے ایک دوسرے کی دوستی  
 کا حق کیونکر ادا کیا ہے؟ یہ بھی اہم اور ضروری سوالات ہیں۔ جہاں تک دولت آصفیہ  
 کا تعلق ہے، تاریخ پر اس کی دوستانہ وفاداری کے واقعات نمایاں موجود ہیں۔ میسوں  
 کی لڑائیوں سے لیکر آج تک سلطنت انگلیشیہ پر کوئی ایسا نازک موقع نہیں آیا جس میں  
 آصفیہ ہی تو اور روپیہ نے اس کی مدد نہ کی ہو۔ اسکا اعتراف خود برطانوی بدترین

بھی ہمیشہ کھلے دل سے کیا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سلطنت برطانیہ نے اپنے  
 یار و فادار کو دوستی کا کیا بدلہ دیا؟ اس کا جواب اکثر سکوت سے دیا گیا ہے۔  
 تاریخ اپنے سینہ میں معلومات کا ایک وا فر ذخیرہ رکھتی ہے مگر اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتی  
 وکن کی سیاسی تاریخ کا یہ پہلو خاص طور پر دلچسپ ہے۔ میں ایک صبر  
 سے ارادہ کر رہا تھا کہ اس پر ایک مفصل کتاب لکھوں۔ چنانچہ اس کیلئے کافی  
 مواد فراہم کر لیا تھا لیکن حالات نے اس ارادہ کو پورا کرنے کی ہمت نہ دی  
 اب ایک خاص موقع پر اجباراً "جمعیتہ" کے لئے اس موضوع پر ایک مختصر مضمون  
 لکھنے بیٹھا تو تمام پچھلی معلومات کا ہجوم ہو گیا اور اجمال و اختصار کی انتہائی  
 کوشش کرنے کے باوجود امن بخت و بیان کسی طرح سمٹ نہ سکا۔ آخر مجبوراً  
 اس مضمون کو چھوٹے سے رسالہ کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔ اگر حالات نے  
 مساعدت کی تو انشاء اللہ یہی رسالہ ایک کتاب کی صورت اختیار کر لے گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

۲۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء

# گزارش

۱۹۲۸ء کا زمانہ ہے، لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند اگرچہ اپنا دور فرمان دہی ختم کر کے ہندوستان سے واپس تشریف لے جا چکے ہیں۔ ان کے تیراقتدار کے زخمی کراچی کے مشہور قیدی قفس کراچی سے باہر قید خانہ ہندوستان میں تشریف رکھتے ہیں۔ دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ بابہ الاختلاف بنا ہوا ہے اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ حضرات اس کی تفصیلات سننے کے مشتاق ہیں۔

یہ تھا وہ وقت جبکہ مولانا سید ابوالاعلیٰ ہودودی نے یہ کتاب تالیف فرمائی تھی، مولانا نے اسے اس وقت خود چھپوایا تھا، کچھ دنوں کے بعد اس کے نسخے ختم ہو گئے اور لوگوں کا اشتیاق بدستور باقی رہا۔ یہاں تک کہ ۱۳ سال کی مدت میں گزر گئی اور لوگ ایک ایسی کتاب کی تلاش میں رہے جس سے دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے دو صد سالہ تعلقات پر روشنی پڑ سکے۔ ہم نے اس قسم کی ایک کتاب کی ضرورت کا اندازہ لگانے کے بعد یہ مناسب نہ سمجھا کہ کوئی دوسری کتاب اس موضوع پر تالیف کرائی جائے کیونکہ

۶  
 مولانا موصوف کے قلم کی خوبی پیدا کرنا دوسروں کے لئے آسان کام نہ تھا  
 اور دوسری طرف اہل بصیرت حضرت کا اتفاق ہے کہ اس سے بہتر کتاب  
 اس موضوع پر دوسری نہیں ہو سکتی۔

ہم نے اس کی دوبارہ اشاعت کے لئے مولانا سید ابوالاعلیٰ رضا مودودی  
 سے اجازت چاہی اور ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ مولانا موصوف نے ہمیں  
 اس کی اجازت مرحمت فرما کر ممنون فرمایا۔

سامان طباعت خصوصاً کاغذ اس زمانہ میں جس قدر گراں بلکہ کیاب  
 ہو گیا ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ ہمیں اس گرائی کا قصہ آپ کو سنانا  
 منظور نہیں، لیکن ہمیں بے انتہا افسوس ہے کہ اس کتاب کو جس قدر قیمت پر  
 ہم آپ کے ہاتھوں تک پہنچانا چاہتے تھے اتنی قیمت پر پہنچانا ممکن نہیں ہا  
 پھر بھی آپ یقین فرمائیں کہ جس قدر ہمارے امکان میں تھا ہم نے اس میں  
 کسی طرح کوتاہی نہ کی۔

سید علی شبر حاتمی }  
 محمد اقبال سلیم گاہندی } ناشران

# فہرست

صفحہ

۹	انگریزی تعلقات ابتداء
۱۲	انگریزی اثر کی ابتداء
۱۴	حیدر علی کے خلاف اتحاد
۱۵	سرکار گنتور پر ناجائز تصرف
۱۶	شمالی سرکار کی واپسی کا مطالبہ اور اس کا حشر
۱۷	سرکار گنتور کی باقاعدہ تفویض
۱۸	میسر عالم کی سفارت
۱۹	ٹیبو سلطان کے خلاف اتحاد
۲۰	انگریزوں کی بیوفائی اور فرانسسی اثر کا دوبارہ عروج
۲۵	انگریزوں سے از سر نو اتحاد
۲۷	ٹیبو سلطان کا استیصال
۲۸	۱۸۰۱ء کا معاہدہ
۳۱	میر نظام علیاں کا انتقال اور دو مصائب کا آغاز

۳۲	سیاسی مرتب میں کمی
۳۹	حیدرآباد کنٹینٹ کا قیام
۴۶	کنٹینٹ کی اصلیت
۵۵	کنٹینٹ کے مسرفانہ مصارف
۶۱	ملک ہضم کرنے کی تدبیریں
۶۵	کنٹینٹ کا قرض
۷۳	قرض کے بدلے ملک کا مطالبہ
۸۷	قرض کی اصلیت
۹۳	تفویض برار
۱۰۸	عذر میں نظام دکن کی وفاداری
۱۱۳	وفاداری کا صلہ
۱۲۳	سر سالار جنگ کا مطالبہ استرداد برار
۱۳۴	نواب میر محبوب علی خاں مرحوم
۱۴۷	لارڈ کرزن کا دوامی بیٹہ
۱۷۰	اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر کا دور
۱۹۴	ڈیڑھ صدی کے تعلقات پر ایک نظر
۲۰۰	معاہدہ برار ۱۹۳۶ء



# انگریزی تعلقات کی ابتدا

سلطنت آصفیہ سے انگریزی تعلقات کی ابتدا حضرت مغفرت آباد آصفیہ  
 اول ہی کے عہد میں ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ تعلقات دو دوستوں کے سے نہ تھے بلکہ ایک  
 فریادی اور ایک فریادرس کے سے تھے۔ اول اول انگریز اپنی تجارت کی حفاظت  
 اور ترقی کے لئے اس سلطنت کے ماتحت عہدہ داروں سے ملکر کام لے لیا کرتے تھے۔  
 مگر جب ۱۷۷۳ء میں فرانسیزیوں نے انگریزوں سے مدراس چھین لیا، اور کراٹک  
 کے آصفیہ گورنر انور الدین خاں نے انگریزوں کی مدد نہ کی تو فورٹ سینٹ  
 ڈیوڈ کے گورنر نے نواب آصفیہ سے فریاد کی۔ نواب نے اس فریاد کو توجہ کیسیا  
 سنا اور انور الدین خاں کو حکم دیا کہ فرانسیزیوں نے انگریزوں سے جو کچھ چھین  
 لیا ہے وہ انگریزوں کو واپس دلوا دیں۔

اس واقعے کے ایک سال بعد نواب آصفیہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی جگہ  
 ان کے دوسرے لڑکے ناصر جنگ مندر نشیں ہوئے مگر مظہر جنگ نے (جو نواب  
 آصفیہ کے نواسے تھے) ان کے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ایک دوسرے

مدعی حسین دوست خاں عرف چند صاحب سے جو ارکاٹ کی حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا، اتحاد کر کے ناصر جنگ کو بیخبل کرنے کی کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پانڈیچری میں ڈوپے بیسدا دہیہ سیاست فرانسسی عملداری کا حاکم اعلیٰ تھا اس دن میں اپنے اثر کو بڑھانے کے لئے اس موقع کو عنایت سمجھا اور ان دونوں مدعیوں کی حمایت کیلئے مستعد ہو گیا۔ انگریز مورخین کا بیان ہے کہ منظر جنگ کی مدد فرانسسیوں کو دیکھ کر ناصر جنگ کی مدد کیلئے انگریز کھڑے ہو گئے۔ لیکن اس زمانہ میں انگریزوں کی کوئی ایسی طاقت تھی کہ سویدارکن ان کی مدد کا طالب ہوتا۔ یا ان کی مدد کو خاطر میں لاتا۔ ممکن ہے کہ ایک ادھ انگریز مپٹن نواب کے ساتھ ہو گئی ہو۔ مگر دکن کے مورخین نے ان کو اتنی بھی اہمیت نہ دی کہ ان کا ذکر بھی کرتے۔

بہر حال ناصر جنگ اور منظر جنگ کا مقابلہ ہوا۔ منظر جنگ قید ہو گئے۔ اور ناصر جنگ فرانسسیوں کی تادیب کیلئے پانڈیچری بڑھے، راستہ میں فرانسسیوں نے لشکر دکن پر شب خون مارا۔ ہنگامہ اضطراب میں کرنول کے نمک حرام افغانوں نے ناصر جنگ کو شہید کر دیا اور اس طرح منظر جنگ دکن کے فرمانروا ہو گئے۔ منظر جنگ کی اس کامیابی نے افغانوں اور فرانسسیوں کا اثر دکن میں بہت بڑھا لیکن ان دونوں قوموں میں خود باہم رقابت پیدا ہو گئی۔ فرانسسی غصہ کار دراز ہو پوسی تھا اور افغانوں کا سرور ہمت بہادر خاں۔ دونوں کی فوجوں میں لڑائی ہو گئی اور اس کشمکش میں منظر جنگ اور ہمت بہادر خاں دونوں مارے گئے۔

فرانسسی اثر کا زوال  
اس کے بعد نواب آصفیہ کے قیصر سے بیٹے صلابت جنگ مندار کے سلطنت ہوئے

بوسی ( Bussy ) اور اس کی فریسی زوج کا اثر اس وقت حیدرآباد میں پوسے  
 عروج پر تھا۔ بوسی کو سیف الدولہ عمدۃ الملک غضنفر جنگ بہادر کا خطاب بہفت  
 ہزاری منصب مہ علم و تقارہ و باہمی مراتب دیا گیا تھا۔ اور صلابت جنگ کی سفارش  
 پر شاہ دہلی کی جانب سے اس کو خلعت و سر پہنچ مع فیل خاصہ مرحمت ہوا تھا اسکی  
 فوج کی معاش کے لئے سرکاریات سیک کا کول راج بندری مصطفیٰ نگر اور رضی نگر (گنتورا)  
 بطور جاگیر دیئے گئے تھے۔ اگر وہ دانائی و فرزانگی سے کام لیتا تو صوبہ دار دکن کی تائید فرمایا  
 کے حق میں حاصل کر لیتا۔ اور شاید ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ لیکن اس نے  
 اپنی کوتاہ فہمی سے یہ سمجھا کہ یہی وقت دکن پر قبضہ جانے کے لئے موزوں ہے چنانچہ  
 اس نے سلطنت کے معاملات میں مداخلت شروع کی اس کے دیوان و می خاں  
 نے جسے حیدر جنگ کا خطاب دیا گیا تھا خود مدار المہام سلطنت نواب مصمصام الدولہ  
 کے ساتھ مساوات کا دم بھرا شروع کیا اور ان دونوں نے اتنی سرکشی اختیار  
 کی کہ آخر صلابت جنگ اور مصمصام الدولہ ان سے برگشتہ خاطر ہو گئے اور انہیں  
 خدمت سے برطرف کر دیا۔ اس برطرفی سے غضبناک ہو کر انہوں نے حیدرآباد میں  
 فتنہ عظیم برپا کر دیا۔ چار محل۔ چار مینار۔ اور حیدر محل پر توپیں لگا دیں۔ داد محل  
 پر مورچہ بنایا اور شہر کو برباد کرنے کا تہیہ کر لیا۔ صلابت جنگ نے یہ رنگ دیکھ کر  
 اس وقت کو نرمی سے ٹال دینا مناسب سمجھا، بوسی کو اسکی جگہ بحال کر دیا۔ او  
 حیدر جنگ کو ورنگل، کھم اور ملنگور کی تعلقہ داری سپرد کی لیکن اس سے ان  
 دونوں کے وصلے اور بڑھ گئے اور انہوں نے کچھ عرصہ بعد ایک فوجی سازش  
 کر کے مصمصام الدولہ اور میر حسین خاں کو گرفتار کر لیا اور نواب میر نظام علی خاں

۱۲  
 ولید سلطنت کو بھی قلعہ گوکلنڈہ میں قید کر دینے کی تدبیر شروع کر دی۔ یہ حرکت  
 ایسی نمتھی کہ اس سے سلطنت کا صین وجود خطرہ میں پڑ گیا تھا چنانچہ میر نظام علی  
 نے حیا۔ جنگ کو پکڑوا کر قتل کرا دیا۔ اور بوسی کے دوسرے ساتھی ابراہیم کارڈی کو  
 توڑا۔ اس طرح بوسی کا زور ٹوٹ گیا۔ اور اس کو حیدرآباد سے ہمیشہ کے لئے  
 رحمت ہونا پڑا۔

## انگریزی اثر کی ابتدا

یہ حیدرآباد میں پہلی مرتبہ فرانسیسی اثر کے زوال کے اسباب ہیں۔ اسی زمانہ  
 میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جنگ ہوئی اور کرنل فورڈ (Forde) اس  
 علاقہ میں گھس آیا جو سرکار نظام سے فرانسیسی فوجوں کی معاش کے لئے دیا گیا تھا  
 صلابت جنگ نے اپنے حدود سلطنت میں اس تجاویز بجا کو دیکھ کر انگریزوں کی تادیب  
 خود جانے کا قصد کیا۔ لیکن انگریز سمجھتے تھے کہ صوبہ دار دکن سے بگاڑ کر انکی چیز نہیں  
 اس لئے انہوں نے خود آگے بڑھ کے صلح کی درخواست کی۔ اور ۱۷۵۹ء (۱۱۶۲ھ)  
 میں پہلا تہنامہ عمل میں آیا جس کی رو سے نظام دکن نے سرکار ہولی ٹیم سرکار  
 نظام ہٹی، اور ضلع کونڈا اور، دو اکلینر انگریزی کمپنی کو انعام میں دیئے اور  
 وعدہ کیا کہ اپنی ریاست سے فرانسیسی فوجوں کو نکال دیں گے۔

اس تہنامہ پر ابھی غلدرآمد نہ ہوا تھا کہ نواب میر نظام علیخان آصفجاہ ثانی  
 نے نواب صلابت جنگ کو معزول کر دیا اور خود عثمان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی  
 اس انقلاب کے بعد نواب غفراں آباہ اپنی ریاست کے معاملات کی دستری میں

مشغول تھے کہ انگریزوں نے ۱۳۶۵ء میں قانون کے باکل خلاف بالابالاشادہلی سے شمالی سرکار کی سند حاصل کر لی (حالانکہ دو سال پہلے معاہدہ پیرس میں وہ خود تسلیم کر چکے تھے کہ یہ علاقہ نظام کی ملک ہے) اور اسکے بعد جنرل کیلوڈ (Gen. Calliaud) کی قیادت میں ایک فوج بھی بھیج دی تاکہ اس علاقہ پر قبضہ کر لے۔ یہ قانون بین الملل کی ایک کھلی مہویٰ خلاف ورزی تھی۔ اس سے مارشل ہو کر نواب کرناٹک پر باؤڈالا جہاں انگریزوں کے اغوا سے نواب محمد علی خاں (ابن نواب انور الدین خاں) خود مختار ہو گیا تھا۔ انگریزوں نے پہلے تو کرنل کمیل کے زیر قیادت فراجمت کی مگر بعد میں نواب کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر خائف ہو گئے۔ اتنے بڑے فرمانروا سے لڑنے کی ان میں جرات نہ تھی۔ دوسرے حیدر علی کے ساتھ نظام دکن سے بھی بگاڑ لینا ان کے حق میں سخت خطرناک تھا اس لئے فورٹ سینٹ جارج کی پریسڈنسی سے جنرل کیلوڈ صلح کی استدعا لے کر حیدرآباد بھیجا گیا اور ۱۳۶۶ء میں اس نے سرکار نظام کے ساتھ ایک جدید تہنامہ مرتب کیا۔ اس تہنامہ کی رو سے انگریزوں نے شمالی سرکاروں کی سندان کے قانونی مالک تسلیم کیا اور راجبندری سیکاکول ایلورا اور مصطفیٰ انگر کی سرکاروں کے عوض ۷ لاکھ روپے سالانہ خرچ دینا قبول کیا اور مقتضی انگریزوں کے متعلق یہ طے ہوا کہ نواب بسالت جٹا (نواب صفحہ ثانی کے چھوٹے بھائی) کی زندگی میں یہ علاقہ ان کے زیر تصرف ہو گا بعد میں وہ بھی انگریزوں کو مل جائے گا اور اس کے عوض انگریزی کمپنی ۱ لاکھ سالانہ خرچ سرکار نظام کو دے گی۔ اس کے مقابلہ میں انگریزوں نے عہد کیا کہ وہ ہر ضرورت کے موقع پر سرکار نظام کی مدد کے لئے ایک فوج مستعد رکھیں گے

اس فوجی امداد کا خرچ اگر شمالی سرکاروں کے خراج سے کم ہوگا تو اسے رقم خراج میں سے وضع کر کے باقی ماندہ رقم سرکار میں داخل کی جائے گی۔ اور اگر خراج سے زیادہ ہوگا تو زائد رقم کی ذمہ دار خود کمپنی ہوگی۔ یہ فوجی خدمات کا پہلا دام تھا جس میں نظام دکن کو بچھنا لگایا۔ بعد میں اس نے جو جو سکلیں اختیار کی ہیں انکا ذکر آگے آتا ہے۔

## حیدر علی کے خلاف اتحاد

مذکورہ عہد نامہ کے مطابق نظام دکن کی خدمت کے لئے ایک مستقل فوج حیدرآباد میں رکھنا انگریزوں کا فرض تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد جب حیدر علی کی قوت سے انگریزی مقبوضات کو خطرہ لاحق ہوا تو یہ فوج اگست ۱۷۶۶ء میں حیدرآباد سے واپس بلائی گئی۔ اور اسے انگریزی مقبوضات کی حفاظت پر لگادیا۔ نواب آصفیہ ۱۷۶۶ء کے عہد نامہ کی پابندی کرتے ہوئے حیدر علی خاں کے خلاف انگریزوں کی مدد کرنے پر مستعد ہو چکے تھے مگر ان کی اس بدعہدی کو دیکھ کر ناراض ہو گئے اور ان کی مدد سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر کرن الدولہ مدارالمہام نے حیدر علی کی سفارش کی۔ خود حیدر علی نواب کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور جب نواب تازید کیلئے اس کے ہاں گئے تو حلیو خانے تک آکر آداب و محرابجا لایا اور ہنر رو پیسے نقد اور دو ہنر تیلیاں سونے کی ندر میں پیش کیں۔ چوترا زہر پر لیجا کر بھجایا، جو اہر کے خوان، بارچہ و پوشاک، دو عدد فلادہ قیل اور دو تین توپیں نذر گذرائیں۔ یہ ایسا موقع تھا کہ اگر سلطنت دکن اور ریاست میسور کا دہلی اتحاد ہو جاتا تو کم از کم حیدر علی نے ہند پر اسلامی سلطنت از سر نو مستحکم ہو جاتی مگر مشیت الہی کو کچھ اور منظور تھا۔

۱۵  
 آصفیہ کی واپسی پر دربار کا رنگ پھر بدلا۔ نواب والا جاہ محمد علیاں والی کرناٹک نے  
 جو انگریزوں کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ چکا تھا، حاضر ہو کر نہ معلوم کیا سچی پڑھائی کرناٹک  
 خضر آباد کا فرج پھر حیدر علی سے منحرف اور انگریزوں کی جانب منحطف ہو گیا۔  
 اس کے بعد ہی رکن الدولہ مدرس بھیجے گئے اور وہاں فروری ۱۷۶۸ء میں ایک  
 تہ نامہ مرتب ہوا جسکی رو سے نواب آصفیہ نے کرناٹک کی دیوانی سات لاکھ روپیہ  
 سالانہ خرچ کے عوض انگریزوں کے سپرد کی۔ نواب کرناٹک کے معاملات میں  
 مداخلت سے دست برداری لکھی۔ اور انگریزوں نے عہد کیا کہ وہ سپاہیوں کی  
 دو پٹنیں گوندازوں کی کافی تعداد سمیت نواب کی خدمت میں رہے گے جس کا  
 خرچ نواب کو دینا ہو گا۔ مگر یہ فوج ایسی طاقتوں کے ساتھ استعمال نہ کی جائیگی  
 جن سے انگریزی کمپنی کی دوستی ہو۔

یہ اسی سبب سے پیری الائنس (Subsidiary Alliance) کی بنیاد تھی  
 جس نے بعد میں ترقی کر کے ریاست کی جڑ کو کھوکھلا کر دیا۔ افسوس! اس وقت  
 کوئی ایسا صاحب نظر سیاست داں موجود نہ تھا جو اس حقیقت کو سمجھتا کہ سلطنت  
 کا استحکام اس کی اپنی طاقت پر منحصر ہوتا ہے نہ کہ کسی حلیف کی مدد و اعانت پر۔

## سکرکنٹور پر ناجائز تصرف

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۷۶۶ء میں سکرکنٹور کے متعلق کمپنی سے یہ عہد ہوا  
 تھا کہ بسالت جنگ کی زندگی تک یہ ملاقات ان کی جاگہ میں رہے گا۔ اس کے  
 بعد پھر کمپنی کو مل جائے گا۔ لیکن انگریز ملک گیری کی جوس میں پھینٹے ہوئے تھے

۱۶  
 بسالت جنگ کے مرنے تک صبر کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا اور انہوں نے شہزادہ کو  
 حیدر علی کے خطرہ سے ڈرا کر ۱۷۷۹ء میں اس سے سرکار گنتور کا قبضہ حاصل کر لیا۔  
 اور اسے نواب کرناٹک کو دس سال کے پٹہ پر بھی دے دیا۔ یہ نہ صرف ایک صحیح  
 بد عہدی تھی بلکہ ایک حلیف کی رعایا سے ناجائز سازباز کرنا اور اس کے ملک  
 پر بیجا تصرف کرنا تھا۔ جس کو نظام ایک معاندانہ فعل قرار دینے میں حق سبب  
 تھے۔ انہوں نے اس حرکت پر سختی کے ساتھ احتجاج کیا اور احتجاج کو موثر  
 بنانے کے لئے فرانسسی فوج کو پھر ملازم رکھ لیا۔ اس معاملہ کی خبر کلکتہ پہنچی  
 تو سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ گورنر نے نومبر ۱۷۷۹ء میں نواب کو ایک طویل  
 معذرت نامہ لکھا خود کورٹ آف ڈائریکٹرز نے اس معاملہ کی تحقیقات کی اور  
 آخر نواب کو خوش کرنے کے لئے نہ صرف سرکار گنتور واپس کی گئی بلکہ سر ڈیم میرا  
 (Sir W. Rumbald) گورنر مدرس کو اسکی کونسل کے ارکان سمیت برطرف

کر دیا گیا۔  
 کشمالی سرکار کی واپسی کا مطالبہ اور اس کا

بسال جنگ کے انتقال کے بعد ۱۷۸۲ء میں کمپنی کی طرف سے  
 مسٹر جانسن کو وکیل بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا۔ تاکہ سرکار گنتور کی حوالگی کا مطالبہ کرے  
 اس زمانہ میں نواب کو اپنی پہلی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور انہوں نے ملک بیکر  
 اجنبی طاقتوں سے فوج رکوانے کے انجام کو سمجھ لیا تھا۔ اس لئے انگریزی وکیل کے  
 سامنے انہوں نے تجویز پیش کی کہ کمپنی شمالی سرکاروں کو واپس کر دے اور اس کے  
 عوض سرکار نظام نہ صرف پیشکش کا بقایا معاف کر دیگی بلکہ ایک کروڑ روپیہ

نقد بھی کمپنی کو دے گی۔ اس کے ساتھ نواب غفراں آباد نے کرناٹک کی واپسی کے لئے بھی ایسی ہی تجاویز پیش کی تھیں۔ مسٹر جانسن نے ان تجاویز کو پسند کیا اور سپریم گورنمنٹ کو ان کی منظوری کے لئے دکھا۔ لیکن وہاں سے سختی کے ساتھ انہیں رد کر دیا گیا اور اس قصور میں کہ غریب جانسن نے ان تجاویز کو سنا بھی کیوں؟ اسے منصب و کالت سے برطرف کر دیا گیا۔

## سکرگنتور کی باقاعدہ تفویض

۱۷۷۸ء میں لارڈ کارنوالس نے کیپٹن کنوے (Kennaway) کو پہلی مرتبہ ریزرٹنٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا اور اسے شمشیر جنگ کے باغ میں ٹھہرایا گیا۔ اس مرتبہ سکرگنتور کی تفویض کا مطالبہ صرف زبانی ہی نہیں پیش کیا گیا بلکہ سلطنتِ اصفیہ کی سرحدوں پر فوج کا اجتماع بھی کیا گیا تاکہ اگر نظام کچھ پس پیش بھی کریں تو انہیں فوجی خدمات کے عوض ملک دینے کی نرا دی جائے۔ اب نظام کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ خود اپنا ملک دیکر فوج رکھوانے کا کیا انجام ہوتا ہے، مگر اس کا تدارک اب ان کے بس کا نہ تھا۔ مجبوراً انہیں قدرتی نتائج

Our Faithful Ally the Nizam P. 36

۲۷۔ اس مقام پر حکومتِ نظام نے بعد میں لاکھ کے فخر سے ایک عظیم الشان کٹی انگریزی ملاکے قیام کیے بنوادی گئے۔ ہمایون کے جرم میں یا سرت کیے بنوادی گئے کہ نہ صرف اس رات پر بلکہ اسکے ارد گرد شہر حیدرآباد کے ایک چھ حصے پر بھی قبضہ کر لیا گیا چنانچہ حیدرآباد میں ریزرٹنٹ ایک پراچھلے انگریزی نصرتی (تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۶۹۳)

3 Our Faithful Ally P. 37

کے آگے سرحد کا دینا پڑا۔ اور شمالی سرکار کی واپسی کے خیال سے ہاتھ مو کر دینے  
ملک کے ایک اور حصہ کی علیحدگی گوارا کرنی پڑی۔

اب تک کمپنی نے اس ملک کا پیشکش بھی ادا نہیں کیا تھا جو ۱۷۶۷ء  
اور ۱۷۶۸ء کے معاہدوں کی رو سے اس کے سپرد کیا گیا تھا یہ رقم ۳۳۳۳۹۶  
روپے تک پہنچ چکی تھی۔ نظام نے اس کا مطالبہ کیا۔ لیکن کمپنی نے صرف  
۹۱۶۶۶۵ روپے پیش کئے اور ۵۸۳۲۶۶ روپے اس بہانہ سے  
کاٹ لئے کہ یہ بابت جنگ کے انتقال ستمبر ۱۷۶۷ء سے لیکر سرکار گنتور کی  
تفویض ستمبر ۱۷۶۸ء تک کا ہر جانہ ہے۔

## میر عالم کی سفارت

۱۷۶۸ء میں بعض معاملات کے تصفیہ کے لئے سرکار نظام کی طرف سے  
ایک سفیرت سفرا کلکتہ بھیجی گئی جو عاقل الدولہ، نظام یا جنگ میر عبدالغفر نے  
خاں غلام نبی خاں اور میرزا ابوتراب خاں سے مرکب تھی اور میر عالم  
اس کے صدر تھے اس سفارت کی گفت و شنید سے ایک اور تہ نامہ عمل  
میں آیا جو لارڈ کارنوالس کے ایک خط کی صورت میں ہے اس میں لارڈ کارنوالس  
نے اس امر کی تصریح کی کہ جو نوج نواب آصفیہ کے حرج پر رکھی گئی ہے  
وہ ہر ایسے موقع پر ان کی خدمت کے لئے حاضر رہے گی جبکہ وہ اسے طلب  
کریں، لیکن اسے پیشوا، رگھوجی بھونساہ، مادھوراؤ سندھیہ، نواب ارکاٹ  
اور راجایان چنچا و روٹراؤ کور کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔

۱۹  
اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ فوج صرف ٹیپو سلطان کے مقابلے کے لئے رکھی گئی تھی۔ کیونکہ نظام کے تمام ہمساہیہ رئیسوں اور نوابوں کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد صرف ایک ٹیپو سلطان ہی باقی رہ گیا تھا۔

اس خط میں یہ بھی تصریح کر دی گئی تھی کہ آئندہ شمالی سرکاروں کے مسئلہ کو چھیڑنے کا کوئی امکان نہیں ہے یعنی یہ علاقہ جو سلطنت دکن سے علیحدہ کیا جا چکا ہے اب کسی حال میں اصل مالک کو نہ ملے گا۔

## ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ٹیپو سلطان کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی اور انگریز سمجھتے تھے کہ اگر اس اولوالعزم سپاہی کو دس پانچ برس کی بھٹی ہلت مل گئی تو پھر کم از کم جنوبی منہد میں ان کا قدم ٹکنا محال ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے یہ غزم کیا کہ اس سریشیمہ کو طوفان بننے سے پہلے ہی سنبد کر دینا چاہئے لیکن ٹیپو سلطان انہما انگریزوں کے بس کا نہ تھا نظام اور مرہٹوں کی امداد کے بغیر اس کا زور توڑنا ناممکن تھا اور کم از کم نظام کو ان کے ایک ہم مذہب رئیس کے مقابلے میں شرکت جنگ پر آمادہ کرنا مشکل تھا لہذا اس کے لئے یہ تدبیر سوچی گئی کہ ایک طرف ٹیپو کی اولوالعزمیوں کو خود نظام کے لئے خطرناک ظاہر کیا گیا دوسری طرف ان کے سامنے یہ فائدے کی صورت پیش کی گئی کہ اگر ٹیپو کو مغلوب کر لیا گیا تو ملک اتحادیوں پر برابر تقسیم ہو جائے گا۔ یہ تدبیر کارگر ہو گئی جولائی ۱۷۹۹ء میں نواب آصف جاہ، پنڈت پردہان پشیوا، اور گنپتی ہادری کے

درمیان دفاعی و بحری اتحاد کا معاہدہ ہو گیا اور اس کے بعد ہی تینوں  
 قوتوں نے میسور پر حملہ کر دیا۔

اس جنگ میں نظام الملک کی امانت کے لئے کمپنی نے وہ فوج بھیجی جو  
 خود نظام کے خرچ پر رکھی گئی تھی لیکن یہ فوج اس قدر ناقص و ناکارہ تھی کہ  
 اس سے جنگ میں کوئی کام نہ لیا جاسکتا تھا۔ خود زر پینٹ (کپٹن کنوے)  
 نے اعتراف کیا کہ وہ نہایت غیر فوجی اور غیر مکمل حالت میں تھی۔ نظام نے جب  
 اس کی سختی کے ساتھ شکایت کی تو لارڈ کارنوالس نے معذرت نامہ لکھا  
 جس میں اس نے صاف طور پر تسلیم کیا کہ

”ہر ہانس کمپنی سے اس امر کی شکایت کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ  
 سرکار کمپنی ان کی ایسی امانت کرنے سے قاصر رہے جس کے وہ معاہدہ  
 اور یہ ہم مواعد کی رو سے مستحق تھے۔“

بہر حال نظام نے وفائے عہد کا حق ادا کیا اور جنگ میں انگریزوں کا  
 پورا پورا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو کو شکست ہوئی اسے آدھا ملک  
 اتحادیوں کے سپرد کرنا پڑا اور اس مفتوحہ علاقہ میں سے نظام کے حصہ میں  
 ۱۳۱۶۶۶۶ اھن کا ملک آیا۔

انگریزوں کی بیوفائی اور فراموشی اثر کا دوبارہ عروج  
 جنگ میسور کے خاتمہ کے بعد ہی دولت آصفیہ کے ایک ماتحت رئیس

جاگیردار کرنول کی تابعدیت کے مسئلہ میں نظام اور ٹیپو سلطان کے درمیان نزاع برپا ہوئی جسے طے کرنے کے لئے نظام نے اس فوج کو طلب کیا جو توڑ انہیں کے روپے سے رکھی گئی تھی لیکن کمپنی نے اس کے دینے میں اتہاد و جبر کی مثال مٹول کی اور محض فوجی خدمت سے بچنے کے لئے یہاں تک کیا کہ کرنول پر نظام کے قانونی حقوق تک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا<sup>۱</sup>

اس کے بعد نظام کو ایک ایسے علاوہ پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کی ضرورت پیش آئی جو معاہدہ سرزینک پٹن کی رو سے ان کے حصے میں آیا تھا۔ اس کام کے لئے انہوں نے پھر کمپنی سے اپنی فوج طلب کی مگر پھر اسے بھیجنے سے انکار کر دیا گیا۔

۱۷۹۴ء میں کرنول کے نئے رئیس الف خاں نے کھلم کھلا نظام کی اطاعت سے انحراف کر کے ٹیپو سلطان کی اطاعت اختیار کر لی نظام نے چاہا کہ کمپنی کی فوج بھیج کر اسے راہ راست پر لائیں مگر اس مرتبہ بھی فوج دینے سے صفا انکار کر دیا۔

سر جان شور (گورنر جنرل) نے صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ :-  
 ”رزیڈنٹ کو نظام پر یہ امر واضح کر دینے کے ہر مناسب موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے کہ کمپنی کی فوج کے ان کی خدمت میں حاضر رہنے کو ہماری باہمی دوستی کی ایک علامت سمجھنا زیادہ بہتر ہے یہ نسبت اس کے کہ اسے نظام کی سرکش رعایا سے خراج وصول کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔“

ان پریم واقعات سے نظام پر اچھی طرح روشن ہو گیا کہ کمپنی کی فوج ان کے کسی کلام کی نہیں ہے بلکہ کمپنی نے اسے ان کے خرچ پر اپنی خدمت کے لئے رکھا ہے اسی زمانہ میں مرٹھوں سے نظام کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو رہے تھے مرٹھوں کی جانب سے جو تھکے کے بقایا کا مطالبہ سخت تھا۔ اور نظام کو ہر وقت مرٹھ فوج کے حملہ کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ نظام نے کمپنی کے رویہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی طرح بھی ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اپنے وفادار حلیف کے لئے حد سے حدیثی کر سکتی ہے کہ مصالحت کی کوشش کر دے۔ دوسری طرف جب مرٹھوں کی طاقت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک فرانسیسی افسر مونسوہ پوینے ( M. Deboigne ) کی قیادت میں ایک برہمت باضابطہ فوج قائم کر لی ہے اور ان حالات کو دیکھ کر نظام نے قطعی فیصلہ کیا کہ کمپنی کی ناکارہ فوج سے اپنا بیچا چھڑائیں اور اپنی ایک مستقل باضابطہ فوج مرتب کریں چنانچہ اس غرض کے لئے ایک فرینچ افسر موسورمیں ( M. Raymond ) کو جو موسی رجمو کے نام سے مشہور ہے ملازم رکھا گیا اور اس کے ماتحت دیسی اور پورین فوجوں کے دستے مرتب کئے گئے اس کے علاوہ چند اور امریکن فرینچ اور افسر افسروں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

ان انواج کی ترتیب کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ۱۸۹۵ء میں مرٹھوں سے جنگ چھڑ گئی مقام کھڑلہ پر سخت معرکہ ہوا جس میں نظام کو شکست ہوئی اور انہیں اس شرط پر صلح کرنی پڑی کہ ۳۶ لاکھ کا مالک اور ۲ کروڑ روپیہ نقد مرٹھوں کو دینگے اور اوسط جابہ کو بریغال کے طور پر ان کے سپرد کر دینگے۔ یہ محض اس کا نتیجہ تھا کہ

نظام نے کمپنی کی دوستی پر بھروسہ کیا۔ اور پہلے ہی خود اپنی فوجی قوت کو مضبوط کرنے کی کوشش نہ کی۔

جنگ کھڑی سے واپس ہوتے ہی نظام نے انگریزی پلٹنوں کی بڑی حکم دیا اور موسیٰ رجمو کی جمعیت کو ترقی دینی شروع کی یہاں تک کہ وہ انہر کی تعداد تک پہنچ گئی اور اس کے لئے ۱۳۰۰۰ روپیہ ماہانہ مقرر کیا گیا۔ اس کیساتھ حیدرآباد میں ایک جنگی کارخانہ بھی قائم کیا گیا جس میں ہر قسم کا بہترین سامان جنگ تیار ہوتا تھا۔ ان واقعات سے بہت ممکن تھا کہ حالات ایک نیا رخ بدل لیتے اور تاریخ کوئی دوسری شکل اختیار کرتی لیکن اس زمانہ میں ایک زبردست سازش کھڑی ہو گئی۔ شاہراہ عالیجاہ کو باپ کے خلاف بغاوت پر ابھارا گیا۔ بیدر کے زمیندار اس کے ساتھ مل گئے۔ مرہٹوں کی امداد بھی اس کو حاصل ہو گئی اور نظام کا تخت خود ان کے اپنے جگر گوشہ کے ہاتھوں خطرہ میں پڑ گیا۔ ایسی حالت میں نظام دوبارہ کمپنی سے امداد طلب کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہی فوجیں جنگی بڑیوں کا حکم دیا جا چکا تھا مجبوراً پھر ماتنگ لی گئیں۔ تاہم ابھی تک فرانسیسی اثر پور سے زور پر تھا۔ ولیعہد سلطنت نواب سکندر جاہ کی موسیٰ رجمو سے بیحد موافقت تھی۔ یہاں تک کہ وہ رجمو کے سر کی قسم کھایا کرتے تھے۔ دربار میں اس کے اثر کا یہ عالم تھا کہ ہر پارٹی اس کی تائید حاصل کرنے کی خواہشمند تھی اور اس کی مخالفت کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی باوجود دربار کے بڑے بڑے امراء شاہراہ فریدیوں جاہ کو ولیعہد بنانے کی کوشش کر رہے تھے مگر چونکہ رجمو شاہراہ سکندر جاہ کا موید تھا اسلئے

سب دم بخود تھے۔ ۱۹۶۶ء میں جب نواب فخران آاب سخت بیمار تھے تو ریزیڈنٹ نے گورنر جنرل لکھا تھا کہ

بلا حک و شبہ یہ فریسی اس وقت ایسی پوزیشن میں ہے کہ نظام کا انتقال

ہوجانے کی صورت میں وہ جس کو چاہئے کامنڈیشن کرادے گا۔ لہ

اس زمانہ میں ٹیپو سلطان نے نواب آصف جاہ کو انگریزوں کے خلاف ایک جہاد عام میں شرکت کی دعوت دی اور ایک طویل خط لکھا جس میں قرآن و حدیث کا حوالہ دیکر نواب کو اس فریضہ دینی کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مل کر ان ممالک کو کفار سے واپس لیں جو پہلے دارالاسلام رہ چکے ہیں۔ ایک طرف ان باتوں کا اور دوسری طرف انگریزوں کی سابق بیوٹاؤں کا نظام پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے انگریزی ریزیڈنٹ کپٹن کرک پٹرک کو حکم دیدیا کہ وہ کمپنی کی فوجوں کو واپس بھیج دے، قریب تھا کہ انگریزی کمپنی سے نظام کے تعلقات منقطع ہوجاتے۔ مگر عین وقت پر سیاسی فریب کاری نے کمپنی بہادر کی دستگیری کی۔ ریزیڈنٹ نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ نظام اوٹوپوسٹ کے مابین کرنول کا جھگڑا کھڑا کر دیا۔ میر عالم نے اس کام میں ریزیڈنٹ کی امداد کی۔ اور بڑے وثوق کے ساتھ نظام کو یقین دلایا کہ ٹیپو نے

کرنول پر قبضہ کر لینے کا پورا سامان کر لیا ہے۔ انگریزوں کی خوش قسمتی تھے  
 اسی زمانہ میں ارسطو جاہ بھی پونا سے چھوٹ کر آگئے اور انہوں نے بھی  
 اپنی قوت اسی جماعت کی تائید میں شامل کر دی جو ٹیپو سلطان کے ساتھ  
 نظام کے اتحاد کی مخالف تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہوتے  
 ہوتے رہ گیا۔ ٹیپو کے وکلائنا کام و نامراد واپس گئے اور انگریزوں  
 کی واپسی کا حکم واپس لے لیا گیا۔

## انگریزوں سے از سر نو اتحاد

اس موقع پر قدرت نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا۔ پانچ ۱۷۹۶ء  
 میں موسیٰ رحمو مر گیا اور اس کی جگہ ایم پیروں (Meperron) مقرر ہوا  
 جو اپنے پیشرو کی سی قابلیتیں نہ رکھتا تھا۔ ان واقعات نے دفعہ حالات  
 کے رخ کو بدل دیا اور ہمیشہ کے لئے بدل دیا۔ نظام کی مرٹھوں سے پہلے  
 ہی دشمنی تھی۔ اب انگریزوں کی چالاکی سے ٹیپو سلطان کے ساتھ بھی  
 مٹھن گئی اسنے دشمنوں میں تنہا اپنی سلطنت کا وجود قائم رکھنا ان کیلئے  
 مشکل تھا اس لئے انہوں نے دوبارہ انہی بیوفاد دستوں کی طرف رجوع کیا جو  
 محض اپنے فائدے کے لئے دوستی کرنے کے عادی تھے۔ انگریز ٹیپو کا سر کھینچنے  
 اور اس کے بعد مرٹھوں کا استیصال کرنے کے لئے اسکے دل سے آرزو مند  
 تھے۔ دکن میں انکی ساری سیاست کا محور یہی ایک نقطہ تھا کہ نظام  
 سب طرف سے کٹ کر صرف ہماری ہی دوستی پر بھروسہ کرنے لگیں جیسا کہ

لاہور و لوزی نے بورڈ آف کنٹرول کو لکھا تھا کہ اس زمانہ میں انگریزی قوم  
 کے لئے بہترین پالیسی یہی تھی کہ نظام کے وزن کو منہ دوستانی طاقتوں کے  
 پلٹے میں شامل ہونے سے روک دیں چنانچہ ٹیپو کی طرف سے نواب کے  
 انخلاف طبع کو دیکھتے ہی انگریزوں نے دوستانہ اتحاد کی درخواست  
 پھر پیش کی اور ستمبر ۱۷۹۵ء میں ایک جدید تہنامہ رقم پذیر ہو جس کی  
 رو سے انگریزوں کی جمعیت نعلبندی (Subsidiary Force) کو  
 مستقل کر دیا گیا اسکی تعداد بڑھا کر چھ پلٹنوں تک کر دی گئی۔ اس کیلئے  
 سرکار نظام کے خزانہ پر ۲۲۱۷۱۰۰ روپیہ سالانہ کا بار ڈالا گیا۔ اور اس کے  
 سپرد یہ خدمت کی گئی کہ نظام کی ذات اور انکی سلطنت کی حفاظت کرے۔  
 اور ریاست کے باغی سرداروں کی سرکوبی کرے۔ مگر یہ شرط لگا دی گئی کہ  
 چھوٹے چھوٹے کام اس سے نہ لئے جائیں گے۔ اور نہ مالگذاری وصول کرنے  
 کیلئے سبندی کا کام اس سے لیا جائے گا۔ اور نہ کمپنی کے دوستوں کے خلاف  
 اس کو استعمال کیا جائے گا اس کے عوض حکومت نظام نے وعدہ کیا کہ  
 اس فوج کے پہنچنے ہی فرانسیزی فوجوں کو منتشر کر دیگی اور آئندہ کسی فرانسیزی کو  
 اپنے ہاں ملازم نہ رکھے گی اور نہ کسی یورپین کی خدمات کمپنی کی رضامندی کے  
 بغیر حاصل نہ کرے گی۔

اس تہنامہ پر دستخط ہونے کے بعد ہی کمپنی کی فوجیں حیدرآباد پہنچ گئیں ایسی  
 افسروں کے ماتحت نظام کی باقاعدہ فوج کو زبردستی منتشر کیا گیا۔ اور  
 جتنے فرانسیزی سرکار نظام کے ملازم تھے ان کو گرفتار کر کے یورپ

بھیجا گیا۔

## ۲۷ ٹیمپو سلطان کا استیصال

۱۹۹۰ء کا یہ معاہدہ انگریزی ڈپلومیسی کی عظیم نشانِ فتح تھا۔ ٹیمپو سلطان نے انگریزوں سے آخری اور فیصلہ کن مقابلے کیلئے جو زبردست ہلایاں کیں تھیں انہیں گز نظام الملک کی طاقت اسکے ساتھ شامل ہو جاتی تو ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن انگریزوں نے ایک طرف ان دونوں اسلامی فرما تراؤں میں پھوٹ ڈالی اور سرلیٹن ۵۰ ہزار کی زبردست فوج کو جو سلطنتِ اصفیہ کی جنگی طاقت کا سب سے بڑا سہارا تھی ایک قطرہ حوں بہائے بغیر منتشر کر دیا اور تیسری طرف مملکتِ اصفیہ کے وسیع ذرائع ثروت و قوت کو اپنی تائید میں حاصل کر لیا جن سے جنوبی ہند میں ان کو فیصلہ کن قوت حاصل ہو گئی اور جنگی بدلت وہ مرہٹے اور میسور کی طاقتوں کو فنا کر کے مادرائے وندھیا پل کے مالک و مختار بن گئے یہ نتائج تہما انگریزوں کی چالاکی ہی سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ ہندوستانیوں کی اپنی کمزوریوں نے بھی اس میں برابر کا حصہ لیا اس وقت دکن میں تین زبردست طاقتیں تھیں ایک مرہٹے اور دوسرے نظام تیسرے میسور اگر ان تینوں طاقتوں میں حسنِ انتظام اور اتحاد ہوتا تو انگریزوں کے پاؤں جتنے مشکل تھے لیکن بد قسمتی سے ان تینوں میں باہم سخت رقابت تھی مرہٹے ہندوستان پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے تھے ٹیمپو سلطان اپنے مجاہدانہ خلوص کے باوجود ملک گیری کی خواہش سے خالی نہ تھا اور نظام الملک اپنے گرد پیش کے سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے ان دونوں عیسائیوں پر اعتماد نہ کر سکتے تھے اس سوئے نظام اور بے اعتمادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کو دکن کی بساط پر خود دکن کے

مہرے لڑائیکا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ پہلے نظام اور مرہٹوں کو ملا کر انہوں نے میسوکا مقبوضہ  
 کیا پھر نظام کی مدد سے مرہٹوں کا زور توڑا اور اس کے بعد ارادہ تھا کہ نظام کی سلطنت کو  
 بھی ختم کر جائیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا مگر خدا کو اس وقت اسلامیہ کا بقا مقصود تھا  
 اس لئے ساری بلا صرف برلڈ پریئل گئی اور اسلام کی عظمت و فتہ کا نشان اس ملک میں محفوظ رہا  
 واقعات کے سلسلہ کو جوڑتے ہوئے اب ہم اس زمانہ پر پہنچتے ہیں جبکہ انگریزوں نے  
 اپنی تدبیروں کا جال مکمل کرنے کے بعد اطمینان کیسا تھا میسوپ سلطان کا خاتمہ کر دیا۔ نواب  
 آصف جاہ سے معاہدہ ہونیکے بعد ہی ۱۹۹۹ء میں میسور سے جنگ چھڑ گئی میسوپ سلطان اپنی تمام  
 تدبیروں میں کام ہو چکا تھا تنہا اپنی فوجی قوت سے مقابلہ نہ کر سکا اور آخر اپنے  
 منصوبوں کی تکمیل میں جان لٹاتے ہوئے شہید ہو گیا اس کے بعد زروئے انصاف ملک  
 کو نظام اور کمپنی کے درمیان مساویانہ تقسیم ہونا چاہئے تھا مگر لارڈ ولزلی نے نظام کو  
 صرف ۶۰،۷۳۳۲ ہن کا ملک دیا اور میسور کی ریاست راجگان میسوکے قدیم خاندان  
 کے سپرد کر دی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ میسور کو تقسیم کرنے کی صورت میں لارڈ ولزلی کو  
 اندیشہ تھا کہ نظام کے ہاتھ ایسے مضبوط قلعے آجائینگے جنسے برطانی سرحد ہیشہ خطرے میں آسکی۔

## ۱۸۰۰ء کا معاہدہ

اس خرنشے سے نجات پانیکے بعد کمپنی کی سیاست کا رخ مرہٹوں کی طرف پھیر گیا  
 اور اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے دوسری طرف نظام کی  
 سلطنت میں میسور کی دو لڑائیوں سے جو افزائش ہو گئی تھی اس کا تذکرہ بھی ضروری تھا  
 تیسری طرف انگریزی سلطنت کے فریڈ سہتکام کیلئے اس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ  
 ہندوستانی ریاستوں میں ہم کسی قسم کے تعلقات باقی نہ رہیں کیونکہ ان کے آپس کے تعلقات

یہ اندیشہ تھا کہ شاید وہ کبھی باہم متحد ہو کر کینی کی توسیع مملکت میں مزاحم ہوں ان امور میں  
سے گانہ کو پیش نظر لکھ لارڈ ولزلی نے نظام سے ایک نئے معاہدہ کیلئے گفت و شنید شروع  
کی اور آخر ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو ایک عہدہ مرتب ہوا جس نے انگریزی حکومت کے ساتھ  
نظام کے تعلقات کو ایک نئی بنیاد پر قائم کیا اس عہد نامہ کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) دونوں سلطنتوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی تیسری طاقت ان میں سے  
کسی ایک پر حملہ کریگی تو دونوں ملکر اس کا مقابلہ کریں گی۔ نیز برٹش گورنمنٹ نے عہد  
کیا کہ وہ کسی طاقت کو نظام کے ممالک محروسہ پر حملہ نہ کرنے دیگی اور خود اپنے مقبوضات  
کی طرح نظام کے مقبوضات کی بھی حفاظت کریگی (جنگ کھڑے کے موقع پر نظام اسی  
قسم کے اتحاد کے خواہشمند تھے۔ مگر چونکہ اس وقت میں سو کی مہم پیش نظر تھی اس لئے  
مرہٹوں کو خوش رکھنے کے لئے ایسا اتحاد کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔

(۲) اس مدافعت کے کام میں کینی کی مدد کرنے کے لئے طے ہوا کہ جمعیت نعلبندی  
( Subsidiary Force ) میں مستقل طور پر دو پلٹنوں کا اضافہ کر دیا  
جائے (یعنی کل ۸ ہزار فوج رکھی جائے)

(۳) اس فوج کے مصارف ادا کرنے کے لئے نظام نے وہ تمام ملک کینی کے  
سپردے کیا جو سالانہ ۱۸۹۹ء اور سالانہ ۱۸۹۹ء کی جنگہائے میسور میں ان کے ہاتھ آیا تھا اور جسکی  
سالانہ آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ تھی۔

(۴) کسی تیسری طاقت سے جنگ پھڑنے کی صورت میں نظام نے وعدہ کیا کہ  
جمعیت نعلبندی کی ۶ پلٹنوں کے علاوہ وہ خود اپنی فوج میں سے ۱۵ ہزار سپاہی  
معد ساز و سامان گورنمنٹ کی مدد کے لئے بھیجیں گے۔

(۵) نظام نے عہد کیا کہ وہ کمپنی کی اطلاع کے بغیر کسی دوسری طاقت سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں گے اس کے عوض کمپنی نے عہد کیا کہ وہ نظام کی اولاد ان کے اعزہ اور انکی رعایا اور ان کے ملازموں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گی جب تک حق میں نظام کے اختیارات مطلق ہوں گے۔

(۶) دوسری طاقتوں سے حکومت نظام کی نزع ہونے کی صورت میں کمپنی کی حکومت کو فیصلہ کرنے کا کامل اختیار ہوگا۔

(۷) کمپنی نے وعدہ کیا کہ اگر شوراپورا اور گدوال کے زمیندار یا نظام کے دیگر ماتحت سرداران کے جائز حقوق ادا کرنے سے احتراز کریں گے یا ان کے مالک محروم عذر وفتنہ برپا کریں گے تو جرم کی حقیقت کو اچھی طرح معلوم کرنے کے بعد جمعیت نعلبندیا آنگلو منوسار کرنے کیلئے نہر ہائسنس کی افواج کے ساتھ شرکت عملی کرے گی۔

اس معاہدہ کی اکثر شرائط ایسی تھیں جن کو انگریزی حکومت نظام سے تسلیم کرنے کے لئے عرصہ سے بے چین ہو رہی تھی خصوصاً پانچویں اور چھٹی شرط کی انہیں خاص ضرورت تھی تاکہ نظام برٹش سلطنت کی حمایت (Protection)

قبول کر کے اپنی خارجی آزادی سے دست بردار ہو جائیں۔ نومبر ۱۷۹۹ء میں جب نواب غفران آباد میر نظام علیخان سخت بیمار تھے اور زندگی کا بھروسہ نہ رہا تھا تو نواب سکندر جاہ کے سامنے یہی شرائط پیش کی گئی تھیں اور ان سے صاف کہہ دیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ انہی شرائط کی تائید صرف اس صورت میں کر سکتی ہے کہ وہ ان شرائط کو قبول کر لیں۔

Aitchisons Treaties and Engagements

Vol. ix p.p. 67—73

۷

Wellington's Despatches May 19, 1803

## میر نظام علی خاں کا انتقال اور دو مصائب کا آغاز

اگست ۱۸۵۳ء میں نواب میر نظام علی خاں کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ نواب سکندر جاہ بہادر زین الدین برٹن میں نواب کی آنکھ بند ہوتے ہی انگریزوں نے مدارالمہام سلطنت ارسطو جاہ سے سازباز کر کے نواب سکندر جاہ کو بیٹے بس کر دیا تھا مگر سال بھر بعد جب ارسطو جاہ مر گئے تو انگریزوں کو قدم جانے کا پورا موقع مل گیا اور انہوں نے اپنے پرانے دوست میر عالم کو جنہوں نے دکن میں انگریزی اثر کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ کوشش کی تھی۔ اور جنج لا رڈ کارنوالس نے نواب غفراں تاب کی زندگی میں وزارت امور خارجہ کا عہدہ نسلاً بعد نسل دلوانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مدارالمہام پر مامور کر دیا۔ انگریزی حکومت کو مدارالمہام کے انتخاب اور تقرر کے مسئلہ میں بلکہ سرکار نظام کسی داخلی مسئلہ میں بھی مداخلت کا کوئی حق نہ تھا لیکن اگر ناجائز فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ملتا ہو تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا انگریزی ڈپلومیسی میں آنا ہے اس لئے انگریزی سلطنت نے معاہدہ پانڈیوں کو بالائے طاق رکھ کر سب کا آصفیہ کے اس خالص اندرونی مسئلہ میں پہلی مرتبہ مداخلت کی ابتدا کی اور میر عالم بہا کے حق میں اپنا پورا زور صرف کر دیا برٹن زینڈنٹ مسٹر سل لکھتا ہے کہ

۱۸۵۴ء میں اعظم الامرا کے انتقال کے بعد ہم نے نظام پر میر عالم کو مسلط کر دیا۔

لیکن اسی اربل نے اپنے ۲۲ نومبر ۱۹۸۱ء کے ایک مراسلے میں میر عالم کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

” بلا شک وہ پبلک معاملات میں بڑی قابلیتوں کا مالک تھا، مگر دل کی ان خوبیوں سے قطعاً عاری تھا جو اعلیٰ دماغی قوتوں کی کمی کو پورا کرتی ہیں وہ حریفوں سے جس کینہ پرور اور مستکدرانہ تھلاسنے نے کسی حسان کو یاد رکھا اور نہ کسی قہر کو بھلایا اگرچہ وہ سخاوت کے اظہار کا شوقین اور ہر لغزیزی کا طلب گار تھا، مگر اس کے دل میں اپنے ابنائے نوع کے لئے نہ منفرداً، نہ مجتہماً، کوئی جذبہ مہر دی تھا اس کے احوال اور اس کی قابلیتوں نے اس کو اپنی حکومت کے لئے عمدہ کام کرنے کی اتنی قدرت بہم پہنچائی تھی جتنی اس حکومت کے کسی ملازم کو کبھی حاصل نہیں ہوئی مگر اس نے بہت سی خرابیوں کو بڑھادیا اور کسی ایک کو بھی کم نہ کیا، اس کا دور حکومت زیادہ تر نظام سے اقتدار چھیننے میں گذر گیا۔“

یہ اس دیوان کی خصوصیات تھیں جس کو انگریزی حکومت اپنی اغراض کے لئے حیدرآباد کے منصب وزارت کے لئے سب سے زیادہ موزوں سمجھتی تھی مگر انگریزوں کی خوش قسمتی سے معاملات صرف یہیں تک نہیں رہے۔ بلکہ انہیں اپنا اثر بڑھانے کے لئے اس کے بعد سیم موقع ملے تو چلے گئے۔ ۱۹۸۱ء میں میر عالم نے جہا راجہ چند لال کو اپنا پیش کار بنایا۔ ۱۹۸۱ء میں میر عالم کا بھی انتقال ہو گیا اور منصب وزارت کے لئے دو امیدوار آگے بڑھے۔ ایک شمس الامراء امیر کبیر دومے غیر الملک جو میر عالم کے داماد تھے۔ لارڈ منٹون نے شمس الامراء کی

سفارش کی۔ مگر نیر الملک نے ہمارا جہنڈا لال سے بھلے شرمی جہد کیا گا اگر نہیں دیوانی بلجائے تو وہ تمام اختیارات ہمارا جہ کے سپرد کر دینگے۔ اور خود کسی معاملہ سے سروکار نہ رکھیں گے۔ خود انگریزی سلطنت نے بھی نیر الملک کے تقرر کو اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ وہ تمام اختیارات ہمارا جہنڈا لال کو دیدیں چنانچہ اسی کے موافق عمل درآمد ہوا۔ اور ہمارا جہ کو سیاہ و سپید کے اختیارات مل گئے جنہیں وہ ۱۸۴۳ء تک پوری مطلق العنانی کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔

اس زمانہ سے ریاست کے مصائب کا ایک ایسا المٹاک اور ماتم انگیز دور شروع جس سے اس کا زندہ اور سلامت بچ کر نکل آنا معجزہ سے کم نہیں ہے۔ یہاں اس دور مصائب کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس دور کی تین نمایاں خصوصیات تھیں ایک یہ کہ ریاست کی اندرونی معاملات میں انگریزی حکومت کو مداخلت کا پورا موقع دیا گیا اور انگریزی رزیڈنٹ کی خواہشات پر ریاست کے مفاد کو قربان کر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ ریاست کے انتظام کو نااہل لوگوں پر چھوڑا گیا اور فوجدار عہدوں کے لئے اہلیت کا معیار قابلیت کو نہیں بلکہ نذرانوں اور شخصی تعلقات کو قرار دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ مدخل و مخارج کا توازن باقی نہ رہا اور قرض لیکر خسارہ کو پورا کرنا ریاست کی مالی پالیسی کا ایک متعلق جزو ہو گیا جسے راجہ باد میں ایک انگریز ولیم ہارن نے ساہوکارا لے اس وقت شمس الامراء حیدرآباد کے اکابر میں سب سے زیادہ یورپین تہذیب کی طرف اہل تھے اسی لئے گورنر جنرل کی نظر ان پر پڑی۔ لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ انگریزی اغراض کے لئے نیر الملک سب سے زیادہ مفید تھے۔ ۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۸ء

کی دوکان کھول رکھی تھی جس سے رزیدنسی کا گہرا تعلق تھا اس سے ۲۴ فیصد  
 تک کی بھاری شرح سود پر قس لی جاتیں اور انہیں وریادلی کے ساتھ خرچ  
 کیا جاتا تھا۔ اس طرح ۱۸۲۳ء تک ریاست ایک کروڑ ۱۶ لاکھ روپے کی قرضد  
 ہو گئی جسے بھگت نے کی یہ صورت اختیار کی گئی کہ شمالی سرکار کا پیشکش ۷ لاکھ روپہ  
 سالانہ انگریزی حکومت کو ہمیشہ کے لئے معاف کیا گیا اور اس کے عوض یہ قرض  
 اس نے اپنے ذمہ لے لیا اس کے بعد دوسرے مہاجنوں سے قس قرض لی  
 جاتی رہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے نواب سکندر جاہ نے اپنی زندگی میں  
 ریاست کو ایک کروڑ روپیہ دیا اور ان کے بعد نواب ناصر الدولہ نے ۸۰ لاکھ  
 روپیہ اپنے پاس سے دیا۔ لیکن اس کے باوجود ریاست کی قرضداری کا یہ حال  
 تھا کہ جب ۱۸۲۳ء میں جہا راجہ چند ولال نے استعفاء دیا تو جنرل فریزر  
 کے بیان کے مطابق تمام قرضوں کو ادا کرنے کے لئے ریاست کو دو کروڑ  
 روپیہ کی ضرورت تھی اس کے علاوہ بہت سے ایسے ناجائز مصارف کا بار  
 ریاست کے خزانہ پر پڑا ہوا تھا جنکی بدولت آخر ملک کا ایک قیمتی حصہ ریاست کو نیا پڑا

## سیاسی مرتبہ میں کمی

اس بدانتظامی اور کمزوری کا راست نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست کے سیاسی مرتبہ  
 کو سخت نقصان پہنچا۔ انگریزی حکومت کا اصول تو یہ ہے کہ "طاقتور کے سامنے  
 سبک سری اور کمزور کے سامنے سرگرائی" جب تک نواب غنبرال آباد

میر نظام علیاں کے عہد میں ریاست کی بنیاد مضبوط تھی، انگریزی حکومت ان کی شہانہ خود مختاری کا پورا احترام ملحوظ رکھتی تھی۔ اور ان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے سے کامل اجتناب کرتی تھی۔ سفارتی تعلقات میں دونوں سلطنتوں کے درمیان کامل مساوات تھی بلکہ ایک باہکبذار حکومت ہونے کی حیثیت سے انگریزی حکومت کے لئے ایسے آداب مقرر تھے جو کمتر درجہ کے حلیف کیلئے موزوں ہوتے ہیں۔ لیکن نواب غفراں آباد کی آنکھ بند ہوتے ہی جب ریاست کو گھن گننا شروع ہوا اور اس کی اندرونی طاقت ضعیف ہونے لگی تو انگریزی حکومت کا رویہ بھی بدلنے لگا۔

غفراں آباد کے عہد تک دونوں سلطنتوں میں برابر کے سفارتی تعلقات تھے۔ حیدرآباد میں رزیدنٹ اور کلکتہ میں ایچی رہتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد شہداء میں جب میرزا عبداللطیف کی جگہ یارالدولہ کو ایچی بنا کر بھیجا گیا تو گورنر جنرل نے ان کو ناپسند کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ واپس بھیج دیئے گئے۔ ان کے بعد پھر سفارت موقوف ہوئی اور حیدرآباد کے رزیدنٹ کے اندر دونوں عہدے جمع ہو گئے۔

غفراں آباد کے عہد تک رزیدنٹ کو ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کی جرأت نہ ہوتی تھی مگر ان کے بعد نواب سکندر جاہ کے عہد میں پہلے دیوان و پیشکار کے تقرر کے مسئلہ میں رزیدنٹ نے علانیہ مداخلت کی پھر رفتہ رفتہ ملک کے انتظامی معاملات میں اس کا دخل بڑھتا رہا یہاں تک کہ مالگنداری کے بندوبست اور عہدہ داروں کے تقرر تک رزیدنٹ کا حکم

۳۶  
 بالآخر رہنے لگا۔ اور بادشاہ کے خلاف خود اس کے ملازموں کی پشتیبانی کرنا  
 انگریزی حکومت کی پالیسی کا مستقل جزو بن گیا۔ حدیہ ہے کہ نظام سے یہاں  
 تک کہہ دیا گیا کہ ۱۔

”ہمارا جو چند دلال کی علیحدگی سے دونوں سلطنتوں کے تعلقات میں فرق  
 آجائے گا..... اگر نہ رہائی نس کے معاملات کا انصر کم کسی ایسے ذریعے  
 سپرد کیا گیا جس پر برٹش گورنمنٹ بھروسہ نہ کر سکتی ہو۔ تو ممکن ہے کہ برٹش  
 گورنمنٹ کے لئے یہ ناگزیر ہو جائے کہ وہ اپنے مفاد کی نگہبانی کسی دوسرے  
 ڈھنگ سے کرے۔ بجائے اس طریقے کے جو اب تک کافی پایا گیا ہے۔“

اس سے ریاست میں جو اتہری پھیلی اس کا بیان خود انگریزی رزیڈنٹ  
 کرنل اسٹوارٹ (.....) کی زبان سے سننا چاہئے جو  
 اس نے ۱۸۳۴ء میں گورنمنٹ آف انڈیا لکھا تھا۔

”جو لوگ اس دربار میں ۳۰ سال سے ہماری پالیسی کو دیکھ رہے ہیں جنہوں نے  
 دیکھا ہے کہ ہم کس طرح خود اپنے بنائے ہوئے آدمیوں کو وزارت دلاتے ہیں  
 اور خود ان کے بادشاہ کے خلاف ان کی حمایت کرتے ہیں۔ کس طرح ہم نے  
 کارآمد فوج پر قابو حاصل کر لیا ہے اور کس طرح ہم ملک کے دیوانی انتظام پر  
 حاوی ہو گئے ہیں وہ اس حقیقت میں مشکل سے کوئی شک کر سکتے ہیں اور یہ  
 کہ خود نظام کو اس میں کوئی شک ہو سکتا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو اس  
 ملک کا واقعی حکمران سمجھ لیا ہے۔ بہت سی خرابیاں جو ریاست میں موجود ہیں

بلا سبب ہماری بے ضابطہ مداخلت کے ناگزیر نتائج میں اس لئے بات  
مشکل ہی سے درست پہنچتی ہے کہ نظام اور ان کے دیوان کو جس حال میں آج  
کل ہیں، ان خرابیوں کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ انکو درست  
کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ درحقیقت زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہم خود ان  
خرابیوں کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں کیونکہ انہیں دفع کرنے کی قدرت  
ہم اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔“

اس قسم کا اعتراف سر جارجس سٹاکٹون نے بھی کیا ہے جو برطانیہ کی سرکاری  
کتاب (بیو بک) میں شائع ہو چکا ہے

نواب سکندر جاہ کے زمانہ تک ظاہری ادب و آداب بدستور باقی تھے۔  
گورنر جنرل اپنے آپ کو سرکاری مراسلات میں ”نیارمنڈ“ لکھتا تھا۔ اور نظام  
اپنے لئے ”مابدولت“ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ ۱۸۲۹ء میں جب اس کا انتقال  
ہوا اور نواب ناصر الدولہ انکی جگہ سندنشین ہوئے تو ان کے ساتھ مساویانہ  
خط و کتابت شروع ہو گئی۔ میر عالم کے زمانہ میں دیوان ریاست سے گورنر  
جنرل کی خط و کتابت برابر کے دوستوں کی سی ہوتی تھی مگر ۱۸۴۷ء میں جب  
سراج الملک نے دیوانی کے عہدہ پر سرفراز ہو کر انہی آداب و القاب کے استعمال  
کیا تو گورنمنٹ کی طرف سے صاف لکھ دیا گیا کہ :-

”ہندوستان کے حالات اب اسوقت بہت بدل چکے ہیں جبکہ ان کے پیش  
میر عالم کو یہ القاب ۴۰ برس پیشتر لکھے گئے تھے جنہیں اب مثال کے طور پر لکھا

جاتا ہے۔ ہندوستان کے گورنر جنرل اور حیدرآباد کے دیوان کی اعتباری حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ برٹش گورنمنٹ کے نمائندہ کو اس طریقہ سے خطاب کیا جائے جو ایک زیر حاکمیت اور مدد دہانہ پانچواں ریاست کے وزیر کے ساتھ مساوات کو پہنچتا ہو۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ زریڈنٹ نے بھی ادب آداب کو نصت کرنا شروع کیا۔ نواب ناصر اللہ ولد کے ابتدائی زمانہ میں جنرل فریزر شکایت کرتا ہے کہ یہاں کے ادب بہت تکلیف دہ ہیں مگر انہی کے آخری زمانہ میں جب کرنل لورڈ زریڈنٹ ہو کر جاتا ہے تو وہ دربار میں نہایت گستاخانہ طرز عمل اختیار کرتا ہے صاحب تاریخ رشید الدین خانی لکھتا ہے کہ

”چونکہ جان لوصاحب نے دربار گذشتہ و حال میں مثل سفیران سابق کے لحاظ اور آداب حضور کا نشست برخواست اور کلام میں نہ کیا اکثر گستاخا اور بیباکانہ کلمات سے پیش آئے اس سے خود بدولت اپنے نزدیک چندے بہت آزرہ خاطر رہے اور خیلے دل پر لال گذرا (صفحہ ۳۸، ۳۹ و ۴۰)

نواب افضل اللہ ولد بہادر کے زمانہ تک بھی بہت کچھ پڑانے نیاز مند آداب کی پابندی باقی تھی۔ لیکن نواب میر محبوب علی شاہ مرحوم کی کم سنی کے زمانہ سے

لے فریزر لکھتا ہے کہ نظام سے ملاقات بہت Memoirs P. 217

مرام اور تکلفات کی عتقا ہوتی ہے اور زریڈنٹ سے ایسے مواقع پر جن آداب کی پابندی کی جاتی ہے وہ اس بابا کی عتقا ہمارا ابتدائی تعلق کے زمانہ سے بچا چلا ہے میں ا کچھ ایسی عتقا کے سیک میں حکومت علیہ اور ایسی یا سکو کی عتقا اعتباری حیثیت کو دیکھتے ہوئے زریڈنٹ کی نمائندہ پوزیشن کے مناسباً نہیں دیکھتا میں ممبر آف فریزر

ان میں کمی شروع ہوئی یہاں تک کہ اپریل ۱۹۳۹ء تک ان تمام درباری آداب سے مستثنیٰ ہو چکا ہے جو ریاست میں رائج ہیں۔

لیکن اس دور انحطاط میں سب سے زیادہ ریاست کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی اصلی المناک داستان کچھ دوسری ہے جس کو اختصار کے ساتھ آگے بیان کیا جاتا ہے۔

## حیدرآباد کی کنٹریکٹ کا قیام

۱۸۵۰ء کے معاہدہ کی دفعہ ۱۱ کے مطابق جمعیت نعلبندی کے فرائض میرٹھ کے تھے کہ وہ ان لوگوں کی سرکوبی کرے گی جو سرکار نظام کے جائز مطالبات ادا کرنے سے گریز کریں گے۔ یا سرکار کے مالک محروسہ میں بد امنی پھیلائیں گے۔ لیکن اس معاہدہ کے گیارہویں مہینے بعد جب شورا پور کے زمیندار نے خرچ دینے سے انکار کیا تو کمپنی نے فوج بھیجنے میں بہت حیلہ جست کی اور ۶ مہینہ بعد اسے بھیجا بھی تو اسی شرائط پر جو خلاف معاہدہ تھیں اس کے بعد پہلی جنگ مرہٹہ پیش آئی جس میں نظام نے معاہدہ کے مطابق ایک بردست فوج سے کمپنی کی مدد کی اور اس نے بہت مفید خدمات انجام دیں لیکن اس فوج میں بہت سے عیوب تھے کہ گئے اور کہا گیا کہ اس نے کچھ کام نہیں کیا۔ ان چالوں کا مقصد یہ تھا کہ نظام کو ایک اور فوج خود اپنی خرچ پر رکھنے کی صلاح دیجائے چنانچہ ۱۸۵۸ء میں گورنر جنرل نے نظام سے اصرار کیا کہ وہ ایک نئی فوج کمپنی کے زیر انتظام قائم کریں جس کا کام سرکوش زمینداروں اور غیر ملکی

سرکوبی کرنا ہو۔ یہ بالکل وہی خدمت تھی جس کو انجام دینے کیلئے ۶۳ لاکھ کالک  
 ویکر نظام نے جمعیت نعلبندی قائم کرائی تھی اس لئے انہوں نے اس مشورہ کو قبول  
 کرنے سے انکار کر دیا۔ کمپنی کی حکومت نے اس پر یہاں تک زور دیا کہ اتحاد کو منسوخ  
 کرنے کی دھکی دیدی اور نظام کو ڈرایا کہ اگر اتحاد منسوخ ہو گیا تو آپکی ریاست کمپنی  
 کے مقبوضات سے ملتی کر لی جائے گی۔ مگر جب دھکیوں سے بھی کام نہ چلا تو ۱۸۱۳ء  
 میں تہری ریل رزیدنٹ اور مہاراجہ چندولال پیشکار نے باہمی اتفاق سے دو  
 ہزار سواروں کی ایک فوج قائم کر لی جس کا نام ریل بریگیڈ رکھا گیا۔ بعد میں  
 بڑھاتے بڑھاتے اسکو چار چنڈ کر دیا گیا اس کے اخراجات کیلئے تقریباً ۴۰ لاکھ روپے  
 سالانہ کا بار ریاست کے خزانہ پر ڈالا گیا اور یہی فوج حیدرآباد کنٹینٹ بن گئی اس  
 فوج کے قیام کا مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ چونکہ جمعیت نعلبندی کمپنی کے زیر اثر ہے  
 اور ضرورت کے وقت اسکی خدمات فوراً حاصل نہیں کیجا سکتیں اس لئے ایک باضابطہ  
 فوج خود ریاست کے زیر حکم رہنی چاہئے تاکہ اس سے فوراً کام لیا جاسکے لیکن  
 یہ محض ایک دھوکہ تھا دراصل یہ فوج بالکل رزیدنٹ کے ماتحت تھی ریاست کو  
 اس پر مطلق اختیار نہ تھا۔ رزیدنٹ ہی اس کا افسر اعلیٰ تھا اسی کو عزل و نصب  
 اختیار تھا اسی کی اجازت پر اس کی نقل و حرکت منحصر تھی اور اس کے حکم کے  
 بغیر کنٹینٹ کے ایک سپاہی سے بھی ریاست کی کوئی خدمت نہیں لیجا سکتی تھی۔  
 یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس کنٹینٹ کا قیام نظام کی اجازت کے بغیر عمل میں

۱۷ Wellingtons Despatches Jan. 19—1805

۱۷ تاریخ رشید الدین خانی ص ۱۷۷

آیا۔ اور نظام کی مرضی کے خلاف اس کو قائم رکھا گیا ہے ریکارڈ پر کافی ثبوت موجود ہے۔ لارڈ مکٹاف نے اپنی ۱۶ مارچ ۱۸۷۳ء کی یادداشت میں صاف لکھا ہے کہ

”کنیجٹ فورس درحقیقت ہمارے اور راجہ چندولال کے درمیان

ایک مشترکہ کاروبار ہے۔<sup>۱۷</sup>

۱۸۷۳ء  
سرفریڈرک کری جو لارڈ لہوری کی کونسل کا ایک رکن تھا ۲۲ اپریل  
کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ

”کنیجٹ دراصل مسٹر سل ریڈینٹ اور اس زمانہ کے وزیر چندولال کی

باہمی پخت و پز کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں

اس انتظام کے لئے نظام اور گورنمنٹ آف انڈیا دونوں کی جانب سے

کوئی راست منظوری ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔“<sup>۱۸</sup>

۱۸۷۳ء میں جب کنیجٹ کی تنخواہیں ادا کرنے کے لئے نواب سکندر جاہ کے

ذاتی خزانہ سے روپیہ مانگا گیا تو انہوں نے اس کے دینے سے صاف انکار کر دیا۔<sup>۱۹</sup>

۱۸۷۳ء میں نواب ناصر الدولہ نے کنیجٹ کی بقا کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔<sup>۲۰</sup>

۱۸۷۳ء میں انہوں نے کونسل اسٹوائٹ (ریڈینٹ سے) بانسرا کا مالکہ بسطج میسے دیوانی

۱۷ Hyderabad Affairs Vol. 11—P. 247

۱۸ ” 623

۱۹ ” P. 374

۲۰ میونسٹریز صفحہ ۱۶۵

۴۲  
انتظام سے انگریز انسرٹوائے گئے ہیں اسی طرح میری فوج سے بھی ان کو ہٹایا جائے میری فوج کو اب کنٹینٹ کی حاجت نہیں ہے۔ جنرل فریزر (رزیڈنٹ) اپنے ۲۶ جولائی ۱۹۴۲ء کے مراسلہ میں حکومت ہند کو اطلاع دیتا ہے کہ۔

اگر نظام کو یہ محسوس کرنے کا موقع دیا گیا کہ وہ فی الواقع خود مختار ہیں تو پہلا کام جو وہ کریں گے وہ یہ ہوگا کہ کنٹینٹ کی برطانیہ کا مطالبہ کریں گے جس سے انکی ناراضی معلوم ہے اور جس کے قیام اور دائمی بقا کے لئے کسی موجودہ وقت معاہدہ میں کوئی شرط موجود نہیں ہے۔

۱۹۴۳ء میں جب معاہدہ تفویض برار کیلئے برطانیہ رزیڈنٹ کرنل نواب ناصر الدولہ سے گفت و شنید کر رہا تھا تو نواب ناصر الدولہ نے پھر اس امر واقعہ کا اعادہ کیا کہ کنٹینٹ کا قیام نواب سکندر جاہ کی اجازت کے بغیر عمل میں آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آخری جنگ مرہٹہ (۱۸۱۸ء) کے بعد سے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں ہماری مدد کی ضرورت ہوتی۔ کرنل لونے جو اب دیا کہ یہ فوج آپ کے والد صاحب کی اجازت سے قائم کی گئی ہے۔ نواب نے فرمایا کہ میرے والد کا نام نہ لویہ کہو کہ ہمارا جب کی اجازت سے قائم کی گئی۔ نواب ناصر الدولہ کے اس استدلال کے جواب میں کرنل لونا اور خود لارڈ ولہوری نے اس وقت یہ دلیل پیش کی تھی کہ جب نواب سکندر جاہ نے ہمارا چہ چند لال کو مختار کل بنا دیا تھا تو ہمارا

۱۰. میموائر صفحہ ۹۰

۱۱. Hyderabad Affairs .Vol. P 576

۱۲. Hyderabad Affairs Vol. ۱۱—P. 375

۴۳  
 کی منظوری خود نواب کی منظوری تھی لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ سرچارلس ویکس  
 جیسا مستند اور مقبر شخص جو نواب سکندر جاہ کے زمانہ میں پانچ سال تک  
 سلطنت برطانیہ کا زئیڈنٹ رہ چکا ہے۔ بالفاظ صریح اس کا اعتراف کرنا ہے کہ  
 انگریزی حکومت نے زبردستی نواب سکندر جاہ کو بے اختیار کیا اور انکی مدہنی  
 کے خلاف ان کے وزراء کو استعمال کرتی رہی۔ ۱۳ اگست ۱۸۵۹ء کی ایک  
 تحریر میں یہ نامور برطانی مدبر لکھتا ہے :-

”۱۸۵۹ء کے عہد نامہ کے بعد ہی سے یہ ضروری سمجھ لیا گیا تھا کہ ریا کا وزیر  
 ہمارے مفید مطلب ہونا چاہئے اور ہمیں اپنے اثر سے اس کی تائید کرنی چاہئے  
 ... ہمارے زئیڈنٹ نے نہ مائی انس (نواب سکندر جاہ) کو انکی تخت  
 نشینی کے وقت اپنا مقصد صاف بنا دیا تھا... چنانچہ اسے نواب جاہ مہ تے  
 دم تک وزیر رہے۔ اور اس تمام مدت میں انہوں نے اپنے آقا یعنی نظام  
 حال کو بے وقعت حلقہ گبوش اور مجرم الاقتدر رکھا۔ وزیر کی وفات پر  
 نظام نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ معاملات سلطنت کو خود انجام  
 دینا چاہتے ہیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ پھر کوئی مطلق العنان وزیر ان پر مسلط  
 کیا جائے مگر جو انتظام وہ چاہتے تھے اس پر تباہی گوبنڈٹ کو اعتراض تھا  
 ہم نے اصرار کیا کہ ایک وزیر کا اہم اختیارات کیسے مقرر کیا جائے ہم نے اپنا حق  
 جتایا کہ وزیر ہمارے مفاد سے وابستہ اور ہمارا انتخاب کردہ ہونا چاہئے  
 اور اگر ضرورت ہو تو ہمیں اس کے تقرر پر زور دینا چاہئے مگر انتہائی  
 کارروائی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔“

”میرے عالم جنکو ہم نے منتخب کیا تھا۔ وزیر مقرر کر دیئے گئے اور مرتے دم تک اپنے آپ کی مملکت کے بلا شرکت امدے حکمراں رہے۔ نظام نے خود اپنی سلطنت میں اختیارات کا کچھ حصہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر یہ وزیر کو گولڈا نہ تھا اور رزیدنٹ اسکی مدد پر تھا۔ آخر نظام سلطنت خالص ہو کر دست کش ہوئے اور اس وقت سے انہوں نے سلطنت کے معاملات میں کئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ گو تشریف غزلت میں افسردہ و غمگین زندگی بسر کرتے رہے اس طرح ہمارے اثر نے خیراً کے وزیر کو اس کے اپنے آپ کی مرضی کے خلاف مطلق العنان حکمراں بنا دیا برطانی مفاد کی تمام معاشا میں وہ برطانی رزیدنٹ کا تابع فرمان تھا۔۔۔۔۔ اسکی مخالفت کو ہمارے خلاف دشمنی اور انگریزی سلطنت کے ساتھ بیوفائی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔“

”میرے عالم کے انتقال کے بعد نظام نے دوبارہ اپنے امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر بے نتیجہ۔ ان کو ایک وزیر مقرر کرنے پر مجبور کیا گیا اور غیر معمولی انتظام عمل میں آیا کہ نظام کے منتخب کردہ شخص نیر الملک کو عہدہ وزارت دیا گیا مگر یہ شرط کر لی گئی کہ ریاست میں ان کے اختیارات کچھ نہ ہونگے تمام اختیارات نائب وزیر خدیوالا کو دیئے گئے جو ہا زبیر اثر تھے۔ چنانچہ اس وقت سے ہماری خلت کی بدولت رئیس وقت خود اپنی سلطنت کے معاملات سے الگ کر دیا گیا۔ وزیر عظم بھی اسی طرح الگ بٹھا دیا گیا اور حقیقی وزیر کا کل طور پر ہمارا تابع فرمان ہو گیا۔“

اپنے اثر اور عمل و دخل کو بڑھانے کے سلسلہ میں ہمارا دوسرا قدم یہ تھا کہ ہم نے نظام کی فوج کو ہٹا کر اسکی جگہ خود اپنی فوج کو کھانا شروع کر دیا جو برطانی

افسروں کے ماتحت قائم کی گئی تھی۔۔۔۔۔ ہم نے اسکی عمومی نگرانی انتظام سے ابتدا کی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ انتظام کے خزانہ سے ۴۰ لاکھ سے اوپر رقم ایک ایسی فوج پر خرچ ہوتی ہے جو کلکتہ برطانوی افسروں کے زیر قیادت ہے اور جس پر برطانوی ریٹرنٹ کو بلا نظر احدے کی اختیارات حاصل ہیں۔ یہ انتظام صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وزیر مہاراجا بالکل تابع ہے کیونکہ اس کا رزائی کو دوبارہ اور قوی فوج کے افسروں کی قدرتی طور پر سخت ناگوار خاطر ہونا چاہئے۔

۴۱ اگست ۱۸۲۷ء کی ایک اور تحریر میں مکلف لکھتا ہے۔

نظام نے اپنے شاہی حقوق کو برقرار رکھنے کیلئے جو کوشش کی۔ اسکو برستی دیا گیا۔ ریس وقت خود اپنی مملکت میں محض ایک سرکاری وظیفہ خوار کی حیثیت رکھتا ہے اس کا دماغ غالباً نظری طور پر اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے ناقابل نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ طویل عرصت تک افسرہ اور گوشہ نشین زندگی بسر کرنے کے باعث متاثر ہو گیا ہو۔۔۔۔۔ میں اس ریس کی حالت سے زیادہ قابل رحم اور اس سے زیادہ ناقابل الزام حالت کا تصور نہیں کر سکتا جسے اس طرح خود اپنے ملازم کا ماتحت بنا دیا گیا ہو، اور ایک خارجی طاقت اس ملازم کی حامی بن گئی ہو نظام کے ممالک محروسہ میں اس قسم کی فوج (یعنی کنٹینٹ) کا ریٹرنٹ کے ہاتھ میں کھلونا بن جانا اور خود نظام کے خرچ پر نظام کے دبانے کا ذریعہ بنا حیدرآباد کے وزیر کی تابعداری ہی کی بدولت ممکن ہوا ہے۔

یہ کسی اور کے نہیں خود برطانوی حکومت کے ایک سابق ریٹرنٹ کے

۴۶  
 اعترافات میں جن سے اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہم پہنچتا ہے کہ حیدرآباد  
 کنٹینٹ نواب مغفرت منزل سکندر جاہ بہادر کی اجازت کے بغیر قائم کی گئی اور  
 معاہدات کے باطل خلاف ریاست پر یہ بار محض ایک پیشکار کی رضامندی سے  
 ڈالیا گیا جسے خود انگریزی حکومت نے، نہ کہ ملک کے جائز حکمران نے  
 ریاست کا تختہ کل بنا دیا تھا۔

## کنٹینٹ کی اصلیت

اب رہا یہ سوال کہ اس فوج کے قیام کا اصلی مقصد کیا تھا اور وہ کہاں  
 تک جائز بنیاد پر رکھی گئی تھی سو اس کے متعلق اپنی طرف سے ایک لفظ کہیں  
 بغیر میں خود انگریزی حکومت کے، مددگار ارکان کے بیانات یہاں نقل کر رہا ہوں  
 ۲۴ اپریل ۱۸۴۸ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈاکٹر جنٹلمین لائونگٹن  
 نے حیدرآباد کے مندرجہ زریڈینٹ کرنل کو کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں لکھا ہے کہ  
 ”میں کچھ عرصہ سے یہ رائے رکھتا ہوں کہ بڑی حد تک ہم خود نظام کی مالی مشکلات

کے باعث میں ہم نے نظام پر ایسے مطالبات کا بار ڈال دیا ہے جن کے ہم کسی  
 معاہدہ کی رو سے سچی نہیں ہیں۔ ۱۲ اکتوبر ۱۸۴۸ء کے معاہدہ کی بارہویں  
 دفعہ کی رو سے نظام نے اپنے اوپر اس بات کا ذمہ لیا تھا کہ جنگ کے موقع پر وہ  
 ۶ ہزار بیڈل اور ۶ ہزار سواروں کے جس کو کنٹینٹ فورس کا نام دیا گیا تھا فیوج  
 زریڈینٹ کی درخواست پر ۱۸۴۸ء میں ہیا کی گئی اور اس نے مرٹوں کے خلاف  
 جنگ میں عمدہ خدمات انجام دیں مگر دو سال جو فوج ہیا کی گئی وہ تعداد اور

بیسٹ کے لحاظ سے اتنی ادنیٰ تھی کہ ریڈیٹ کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ نظام کی ملازمت میں کئی افسروں کے ماتحت ایک باقاعدہ رسالہ قائم کیا جائے جسے ۱۸۷۱ء میں اصلاح کا ایک خاکہ منظور کیا گیا اور اس پر عمل درآمد ہوا پھر ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۳ء میں مزید اصلاحات کی گئیں یہاں تک کہ ۱۸۷۴ء کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کنٹینٹ میں ۲۵۹۲ سوار، ۶۸۳۵ پیدل اور ۹۵ یورپین فسرین متعلق

نظام کی حکومت پر ۳۲ لاکھ روپیہ (حالی) سالانہ خرچ ڈال دیا گیا ہے یہ مطالبہ ریاست کی کل آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ کر رہا ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ نظام اس وقت ان قوم کے قرضہ ہیں جو پش گوونٹ نے کنٹینٹ کے مصارف کیلئے انکو قرض دی ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں یقیناً یہ رائے رکھتا ہوں کہ کنٹینٹ کی برطانی پر غور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کا ابتدائی قیام کسی معاہدہ پر مبنی ہے اور نہ آئندہ جاری بقائے

اس کے جواب میں کرنل کو نے ۲۴ جون ۱۸۷۵ء کو ایک خط لکھا جس کے

بعض خاص حصے یہ ہیں۔

'میں نے ۱۸۷۳ء میں لارڈ آک لینڈ کے پرائیوٹ سیکرٹری مارک کالون کو جو نیم سکرٹری نظر رکھا تھا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ میرا اس جرم پر بھی کسی متعلق آپ کی رائے سے کسی متفق ہوں جس کا ارتکاب ہم سا لہا سال سے

میمو آئیر صفحہ ۷، ۲۴

یہ وہی کرنل لوہے جو ۱۸۷۵ء میں حیدرآباد کا ریڈیٹ بنایا گیا اور جس نے نظام پر فوجی قوت کا دباؤ ڈال کر تعویض برار کے عہد نامہ پر دستخط حاصل کئے۔

حکومت نظام کے ساتھ انکی آمدنی پر کنٹریبیٹ کی تنخواہ کے لئے ۴۲ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ عائد کرنے کی صورت میں کر رہے ہیں جو دوسرے الفاظ میں خود ہماری ہی اغراض کے لئے ہے نہ کہ نظام کی اغراض کے لئے ۱۹۱۹ء سے دکن میں کابل امن ہے اور چونکہ ہم صرف حالت جنگ میں نظام کی فوج سے ۶ ہزار پیدل اور ۹ ہزار سوار مانگنے کا حق رکھتے ہیں اس لئے ازر وئے معاذ ہم کو اس پروری مدت یعنی ۲۸ برس سے زیادہ کی مدت میں کنٹریبیٹ کیلئے نظام سے ایک روپیہ بھی مانگنے کا حق نہ تھا مگر اس مدت میں ہم نے نظام کے خزانہ سے (ما سوا اس ۴۲ لاکھ کے جو اب کنٹریبیٹ کے سلسلہ میں فرض کے طور پر نظام کے ذمہ اور جب لاڈ آئے ۱۱ کروڑ ۲۰ لاکھ عالی کی رقم خطیر کھینچ لی ہے جس کا ایک بڑا حصہ نظام کے ممالک و زمینوں سے ہریشہ کیلئے پانہیوں و رافضوں کی ترسیل روپوں کی تدا کی صورت میں ہر چلا گیا ہے کیونکہ ان پانہیوں اور رافضوں کا ایک حصہ اودھ اور وسیلہ کھنڈ اور دوسرا قطعہ سندھ سے آیا ہوا ہے جو اپنے بچائے ہوئے روپے کو زر نقد کی صورت میں و دراز علاقوں کو لیجاتے ہیں اور اس طرح یہ دولت کی تسخالی نہ صرف نظام کے خزانہ کو خالی کئے دیتی ہے بلکہ انکی رعایا کو بھی روز بروز مغلس بنا رہی ہے..... مجھے یاد ہے کہ میں نے ۱۹۱۳ء میں مشرکالون کو بتایا تھا کہ ۱۹۱۹ء سے اب تک موجودہ فوج کا نصف حصہ ۲۰ لاکھ کے خرچ پر وہی خدمات حکومت نظام کیلئے انجام دے سکتا تھا جو موجودہ فوج ۴۰ لاکھ کے خرچ سے انجام دیر رہی ہے۔ برسوں سے کنٹریبیٹ کے ایک بڑے حصہ سے کوئی کام نہیں لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ہرگز کی رو سے نظام کو کمپنی کی جمعیت نعلندی سے ہر وہ خدمت لینے کا حق ہے

جو کنٹینٹ سے لی جاتی ہے یا ایسی سکتی ہے۔ اب دیکھئے کہ اگر ۱۹۱۹ء سے صرف ۲۰ لاکھ کی فوج رکھی جاتی تو کیا ہوتا۔ بالکل ظاہر ہے کہ اب تک ہم نظام کے خزانے سے اس رقم کی نسبت جو اب تک ہم نے وصول کی ہے ۵ کروڑ کم وصول کرتے یہ فرق تو نظام کے حق میں ہوتا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں کیا ہوتا؟ میری رائے یہ ہے کہ کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ ۱۹۱۹ء سے ہم نے ایک تزیین کی کنٹینٹ کو نظام کے حدود سے باہر استعمال نہیں کیا ہے..... اسکے بعد اس بارے میں اور کیا کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ دینی حکومت اپنے بھاری قرضوں اور خالی خزانہ کے باعث کیوں قریب قریب معطل سی ہو گئی ہے۔

کورٹ آف ڈائریکٹرز کا ایک دوسرا رکن سر نہری دلاک

اپنی ۹ نومبر ۱۹۱۵ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ:-

”نظام کی بہترین بے قاعدہ فوج کو رفتہ رفتہ ہم نے اپنی نگرانی میں ایک باقاعدہ کنٹینٹ کی صورت دیکر نواب کو ان لوگوں کی خدمات سے محروم کر دیا جو ان کے ذاتی فحاش تھے اور جن کی قوت تحصیل اور پولیس کے افسر مالگذاری وصول کرنے اور منظم کرنے کے کام میں بھروسہ کر سکتے تھے سطح ہم نے نظام کو مجبور کر دیا کہ وہ نظم و نسق کو چلانے اور اپنے اقتدار کو بحال رکھنے کے لئے پٹھانوں، رومیلوں اور عربوں کی ایک نہایت قابل اعتراض فوج بھرتی کریں۔“

میموائر صفحہ ۲۴۸ ۱۵

” ” ۲۶۰ ۱۵

۵۰  
 کورٹ کا ایک اور رکن جنرل کاننیلڈ (Caulfield) لکھتا ہے  
 ”ہم نے نظام پر ۲۲ لاکھ۔ وپریہ سالانہ کا ایک غیر ضروری خرچ ایک ایسی کنٹینٹ  
 کی پرداخت کے لئے عائد کر دیا ہے جسکی تنظیم وترتیب ہمارے ہاتھ میں ہے  
 اور جس پر ہمارے ہی انسر مقرر ہیں۔ اور جس کا وہی کام ہے جو معاہدہ کی رو سے  
 جمعیتہ نعلبندی کے سپرد کیا گیا تھا۔ ہم نے نظام کو جمعیتہ نعلبندی کی خدمت  
 سے ایسے وجوہ کی بنا پر محروم کیا ہے جنکی حمایت میں کئی عذر نہیں پیش کیا جاسکتا۔  
 کنٹینٹ کا بانی سر نہری رسل لکھتا ہے۔

”یہ فوج صرف برائے نام نظام کی ملازم تھی، اس کو ہر مہینہ زر ریڈنٹ کے  
 خزانہ سے باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی اور وہ اپنے آپ کو کمپنی ہی کی فوج  
 سمجھتی تھی، اعلیٰ انعام کے لئے یہ فوج بھی ہمارے لئے ایسی ہی تھی۔ یہی فوج  
 ہماری فوج اور اسکو بھی ہم اپنے فوج کی طرح کام میں لاسکتے تھے۔  
 ۱۸۵۷ء میں جب رسل نے اس فوج کے قیام کی تجویز پیش کی تھی تو اس  
 وقت بھی اس نے اپنے ۲۲ لاکھ کے مراسلہ میں صاف لکھ دیا تھا کہ یہ فوج جمعیتہ  
 نعلبندی (سیب سیدیری فورس) کو اس محنت سے بچانے کے لئے مطلوب ہے  
 جو اسے سرکش رعایا کی سرکوبی میں کرنی پڑتی ہے۔ حالانکہ سندھ اعر کے معاہدہ  
 میں نظام نے اسی مقصد کے لئے برٹش گورنمنٹ کو ۶۳ لاکھ کا مالک کی جمعیت

میمو آئیرز صفحہ ۲۶۰ لے

Hyderabad Affairs Vol. 11—P. 322 لے

” ” ” P. 372 لے

پھر جس وقت کنینٹ کو مستقل کیا جا رہا تھا تو خود گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز نے  
۱۸۱۹ء کی یادداشت میں یہ الفاظ لکھے تھے۔

”یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ فوجیں اس بادشاہ کی بہ نسبت جس کے خرچ پر وہ کبھی  
جاری ہیں، حقیقت زیادہ تر ہماری فوجیں ہیں اگرچہ ان کا خرچ  
نظام دیتے ہیں اور برائے نام وہ انکی طرف منسوب ہیں مگر ان کا ہمارے  
ذریعے تنخواہیں پانا، اور برطانوی افسروں کی قیادت میں منہاں ہاتھی کی  
توقع کی گنجائش رکھتا ہے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان کسی چاتی کی صورت  
میں وہ اپنے ظاہری آقا کے مقابلہ میں ہمارا ساتھ دیں گے اب کیا عقل خود  
کے مطابق ہوگا اور کیا یہ اس اعتماد کے لئے جو آئرلینڈ نے ہم پر کیا ہے  
مناسب ہوگا کہ ہم ایسی ایک ضمانت کو انصاف کے ایک اعتقاد کی نکتہ پر  
قرآن کر دیں..... یہ بالکل خلاف مقتضائے سیاست ہوگا کہ ہم ضرورت  
سے زیادہ تہذیب کا خیال کر کے اپنی طاقت میں اس مفت کے اضافہ کو  
خواہ مخواہ چھوڑ دیں۔“

۱۶ جنوری ۱۸۴۷ء کو کنینٹ کے انگریز افسروں کی تنخواہوں کا مطالبہ کرنے  
کی قانونی مشکلات بیان کرتے ہوئے انگریزی رزیڈنٹ فریزر لکھتا ہے۔  
”یہ فوج خود صبر و تحمل پر جی رہی ہے اگر اس پر فیصلہ کن اعتراضات کیے گئے تو  
خواہ ہم اسکو برقرار رکھنے کے لئے اصرار کرنے پر قادر ہوں مگر ہمیں اپنے اس

اصرار کو موجود الوقت معاہدات کا حوالہ دیکر یا کسی ایسے سمجھوتہ کو پیش کر کے جو اس بارے میں ہمارے اور نہر ہائی ٹس نظام کے درمیان ہوا ہو حتیٰ پنجاب ثنابت کرنا مشکل ہوگا اس لئے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ایسی تجاویز پیش کرنے سے احتراز کیا جائے۔ جنگو یہ دہی ریاست یقیناً حق بجانب نہیں سمجھتی اور جن سے ایسے مسائل اور مجوزات پیش ہوتے، امکان ہے جو خود اس فوج کے نفس جوہد کے متعلق ہوں گے۔“ (میمو انرز صفحہ ۹۰)

اس کے بعد فروری نے ۱۴ جولائی ۱۸۴۲ء کو پھر لکھا ہے کہ :-  
 ”اگر ہم نے نظام پر یہ اثر قائم ہو جانے دیا تو یہ غیر غلبہ نہیں ہے کہ علاوہ دوسری خرابیوں کے ہم کو اس بزرگ تر خرابی کا مقابلہ کرنا پڑے گا کہ تہذیب کی جانب سے کنٹینٹ کی برطانی کی تجویز پیش کی جانے لگی جس سے ان کی ناراضی معلوم ہے اور جس کے نہ ابتدائی قیام کیلئے کسی معاہدے کوئی بنیاد موجود اور نہ سبلس برقرار رکھنے کیلئے ۱۸۴۲ء میں نہر ہائی ٹس نے اس فوج کے برقرار رہنے پر فعلاً اعتراضات کئے تھے اور اس پر جو مصائب ہو رہے ہیں وہ دیوانہ

کی طرف سے ہم شکایات کے موجب ہیں۔“ (میمو انرز صفحہ ۱۶۵)  
 خود لارڈ ڈلہوزی جس نے اسی کنٹینٹ کی خاطر نظام سے زبردستی ملک برآ حاصل کیا۔ اپنی ۳۰ پانچ سلسلہ ۱۸۴۲ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ  
 ”ان وجوہ کی بنا پر میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ حکومت منہد کو نہ تو معاہدہ ۱۸۴۲ء کی اسپرٹ سے اور نہ الفاظ سے اس کا کوئی حق پہنچتا ہے کہ نظام سے کنٹینٹ کو اسکی موجودہ

قائم رکھنے کا مطالبہ کرے۔

”جہاں تک میرا تعلق ہے میں ایک ایسا مذاق آدمی ہونے کی حیثیت سے رزٹرنٹ کو یہ ہدایت دینے کے لئے ہرگز راضی نہیں ہوں کہ وہ نظام کے جواب میں یہ کہے کہ کنٹریجٹ ۱۸۷۱ء سے اب تک ان کے خرچ پر اس وجہ سے رکھی گئی ہے کہ ۱۸۷۱ء کے معاہدہ کی بارہویں دفعہ کی رو سے وہ اس کے رکھنے کے پابند ہیں“

۱۶ ستمبر ۱۸۷۲ء کو لارڈ ڈلہوزی نے اپنے ایک پرائیوٹ خط میں جنرل فرزیر کو لکھا تھا کہ۔

”گورنمنٹ آف انڈیا یا بارازروئے معاہدہ کنٹریجٹ رکھنے کی ذمہ داری کا ذکر کرتی ہے۔ کیونکہ چالیس سال سے نظام نے معاہدہ ۱۸۷۱ء کی بارہویں دفعہ کی اس تعبیر کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن اگر نظام اس سے مکر جائے اور ازروئے معاہدہ کسی پابندی کے وجود سے انکار کر دیں تو میں ایک پبلک مین کی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں ایمانداری کے ساتھ اس استدلال نہیں کر سکوں گا کہ کنٹریجٹ کو برقرار رکھنے کے لئے سابقہ عمل کے سوا کوئی اور بھی حجت موجود ہے میں یہ استدلال کر سکتا ہوں اور یہی میں نے کیا ہے

میمو آئیرز صفحہ ۳۶۰ لہ

لہ یہ بھی غلط ہے کہ نظام نے اس تعبیر کو قبول کر لیا۔ خود جنرل فرزیر (رزٹرنٹ) نے اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک مجھے یاد ہے! کونٹریجٹ ۱۸۷۱ء سے پہلے نظام نے کبھی صریح الفاظ میں اس جواب کو قبول نہیں کیا (دیکھو میموا آئیرز صفحہ ۳۸۱)

کہ نہر ہائینس کے طرز عمل (یعنی خاموشی) نے معاہدہ کو یہ صورت دیدی ہے اور جب تک اسے نامنظور نہ کر دیا جائے ان پر یہ واجب ہے کہ سیدھی طرح اس فوج کا خراج برداشت کریں۔ جس کو اسی تعبیر کے مطابق انہوں نے ہمیں مرتب کرنے دیا ہے۔ لیکن اگر وہ نفس معاہدہ پر قائم ہو جائیں تو میں استدلال نہیں کر سکتا کہ معاہدہ کی اسپرٹ یا الفاظ کی رو سے وہ اس بنیاد پر حالت امن میں ۹ نہر کی ایک گراں خراج فوج رکھنے پر مجبور ہیں۔ حالت جنگ میں انہوں نے ۱۵ نہر فوج دینے کی ذمہ داری لی ہے۔ اپنی ایک اور حقیقہ تحریر میں لارڈ ڈلہوزی لکھتا ہے۔

”عہد نامہ کے تصور میں بھی یہ نہ تھا کہ نظام کو اپنی فوج سے الگ ایک فوج بھرتی کرنے اور اس کا خراج دینے پر مجبور کیا جائے تاکہ وہ ہر وقت زمانہ امن اور زمانہ جنگ میں یکساں گورنمنٹ آف انڈیا کے ہتھیاروں میں دیدی جائے۔ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ میں نے کہتے سنا ہے کہ نہر ہائینس کی اپنی فوج محض ایک ”انہوہ“ ہے۔ اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں چھی

---

۱۵۔ عجیب لطف یہ ہے کہ اپنی لارڈ ڈلہوزی صاحب نے، راکٹور برٹش ایگریکولچر ایک سرکاری مراسلہ میں لکھا تھا کہ۔

”سنہ ۱۸۵۷ء کے عہد نامہ نے ہر وقت نظام سے ۱۵ نہر فوج طلب کرنے کا حق دیا تھا۔ تجربہ نے جلد ہی ثابت کر دیا کہ جب کبھی یہ مطالبہ کیا گیا ہم کو ۱۵ نہر فوج تو نہ ملی البتہ بہت سا بیکار اور بے ضابطہ ”انہوہ“ مل گیا پس ہم نے بالکل صحیح اور جائز طور پر عہد نامہ کو یہ معنی پہنچا کہ ہم کو کارآمد سپاہیوں کی مقررہ تعداد جیسا کہ جانی چاہئے اس لئے ہم غیر مشکوک انصاف

فوج ملنے کا اطمینان کرنے کے لئے ہم یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ ایک کثیر تعداد کی فوج حالت امن میں ہمارے زیر نگرانی وزیر ترقی ہے تو میں جواب دوں گا کہ معاہدہ کی دفعہ ہم کو یہ معنی پہنانے کا کوئی حق نہیں دیتی (میمو آئرز صفحہ ۲۲۶)

ان سرکاری اور نیم سرکاری تحریروں کے بعد کنٹینٹ کی اصلیت سے متعلق ایک حرف بھی زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار ارکان تسلیم کرتے ہیں کہ کنٹینٹ خلاف معاہدہ قائم کی گئی۔ نظام کی اجازت کے بغیر قائم کی گئی اور انہی اغراض کے لئے قائم کی گئی جن کے لئے اس سے پہلے ۲۳ لاکھ مالک نظام سے لیکر سب سٹیڈیری فورس قائم کی گئی تھی۔

## کنٹینٹ کے مفسر فامصار

آگے چلکر اس کنٹینٹ کے مصارف کی خاطر نظام پر جو مصیبتیں نازل کی گئیں ان کو بیان کرنے سے پہلے یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ انگریزی حکومت ۴۰ سال تک اپنے وفادار دوست کے خزانہ سے روپیہ لیکر اس فوج پر کس بے دردی کے ساتھ خرچ کرتی رہی اس کے لئے بھی میں اپنی طرف سے

(بقیہ صفحہ ۶۲) کے ساتھ ہر مانی اس سے مطالبہ کر سکتے اور کرتے ہیں کہ وقت ضرورت سے پہلے ہی اسے اپنا اختیار کریں کہ ایک بڑا بڑا فوج فراہم کر رکھیں جس کا خرچ وہ دیں اور قسٹ ہے ہوں اور وہ دن کے وسطی اضلاع میں قیام امن کا کام ہے۔ اس کام کے لئے ہم ۱۵ ہزار کے بجائے صرف ۸ ہزار مانگتے ہیں۔ (میمو آئرز آف فریڈر صفحہ ۳۵۲)

اس سلسلے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ لارڈ ڈولہوری کی سیاست کے خفیہ و علانیہ پہلوؤں میں کس قدر فرق تھا۔

ایک لفظ کہنے کی بجائے خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار ارکان کے اعتراض کو نقل کروں گا۔

۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو کرنل لو (منصوب ریڈینٹ) نے حکومت نظام کی مالی مشکلات کے متعلق ایک طویل مراسلہ گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا تھا جس میں اس نے کنٹریبیٹ کے بھاری اخراجات کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔  
 ”یہ خیال کر کے اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ حکومت نظام کی ان شدید مالی مشکلات کا ایک عمدہ حصہ بالواسطہ خود ہمارے اس چالیس لاکھ روپیہ سالانہ کے مطالبہ کی بدولت اس پر نازل ہوا ہے جو کنٹریبیٹ فورس کے مصارف کے لئے کرتے ہیں۔“

نظام کی کنٹریبیٹ کے متعلق ان تمام واقعات اور حالات کو بیا کرنا ڈر میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ مگر میں جب سے یہاں آیا ہوں، میں نے اس حکومت کی مالی پریشانیوں کو اس قدر وسیع و ہمہ گیر دیکھا ہے کہ میں نے جنرل باجلاس کو نسل کے سامنے پیش کرنے کے لئے اپنی رائے صاف صاف ظاہر کر دینا ضروری فرض سمجھا ہوں اور اسی اصول پر میں اس اظہار رائے کے ساتھ اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں کہ کنٹریبیٹ کے اخراجات کو ایسی ایک رقم تک کم دینے کے لئے جو حد سے حد ۲ لاکھ روپیہ (حالی) سالانہ زیادہ نہ ہو، ضروری کارروائی کی جلیبت ہونی چاہئے۔ کیونکہ پہلے خواہ کچھ صورت رہی ہو، مگر اب مجھے بالکل ظاہر نظر آ رہا ہے کہ حیدرآباد کی حکومت وہ بھاری رقم نقد روپے کی صورت میں کسی طرح دینے کے قابل نہیں ہے جو اس فوج کو کھنے

۵۷  
 کے لئے مطلوب ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس سیم زرباشی کا مسئلہ  
 فریڈین سال تک بھی جاری رہا تو وہ اس ارسلطنت کی مصیبت اور  
 انتشار میں بہت شدید اضافہ کا باعث ہوگا اور غالباً تمام نظم و نسق کے کاغذ  
 کو معطل کر دے گا۔

اسکے جواب میں، ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو لارڈ ڈالہوری کی حکومت نے کرنل کو لکھا کہ  
 ”ہزار ڈمشپ باجلاس کونسل کرنل کو سے اس بات پر متفق ہیں کہ کنٹریٹ  
 کو نظام کے مالیات پر اتنا بھاری بوجھ بنا دیا ہے جتنا اسکو نہ ہونا چاہئے  
 گورنر جنرل باجلاس کونسل کی رائے میں اسٹاف بلا فائدہ زائد ہے اور  
 تنخواہیں، بھتے اور مختلف قسم کے مصارف اس بدچہاز نہیں جتنے ہونے چاہئے۔  
 ۳۰ مارچ ۱۹۲۳ء کی یادداشت میں لارڈ ڈالہوری نے دوبارہ اس

فصلو لخر چرخی کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

”میں اس اعتراض کے حق بجانب ہونے کو سختی کے ساتھ محسوس کرتا ہوں جو

اس فوج کے بھاری خرچ پر کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ یہ فوج کم نہ زیادہ

اکٹھے ۵ بریگیڈ رکھتی ہے جنکے ساتھ ہی نسبت سے بریگیڈ میجر بھی حالانکہ گوالیار

کینٹنمنٹ جو ہزار ڈیونس (نظام) سے ایک ہزار کم آدمیوں پر مشتمل ہے صرف

ایک بریگیڈ رکھتی ہے اور باقی عملہ بھی اسی تناسب سے بہت کم ہے۔“

میمو آرز صفحہ ۲۵۵

۲۵۲

۳۷ فرے کی بات یہ ہے کہ ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء کو لارڈ ریڈنگ نے اعلیٰ حضرت میر عثمان ملیغان جہاد کے  
 (باقی صفحہ ۵۸)

۵۸  
 اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کرنل لو کے سپہم اصرار پر لارڈ ڈلہوزی نے اس خراج میں  
 کمی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ تھے۔

”مزید برآں گورنر جنرل یا اجلاس کونسل اس بات کے لئے بالکل تیار ہیں کہ  
 فوج کے اسٹاف میں بہت سی گراں خراج اسامیوں کو تخفیف کر دیں اس  
 طے کہ جب کوئی جگہ خالی ہو یا موقع پیش آئے تو اسکو موقوف کر دیں گورنر جنرل  
 یا اجلاس کونسل نہیں سمجھتے کہ فی الحال اس سے زیادہ کچھ کیا جاسکتا ہے۔“

اس کے بعد ۱۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو کورٹ آف ڈائریکٹرز کی طرف سے حکومت

متہد کو یہ ہدایت کی گئی کہ

”اگر کنٹینٹ نظام کے مالیات پر اس سے زیادہ بار ڈالتی ہے جتنا اسکی اہلیت  
 کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے تو نظام کو ایسے غیر ضروری بار سے  
 فوراً نجات دینی چاہئے۔“

۳۳ دسمبر ۱۹۵۱ء کو کورٹ آف ڈائریکٹرز نے پھر کھٹاکہ  
 ”کنٹینٹ کی سہولت ترمیمی اور اس کے مصارف کی عام نظر ثانی کر کے گورنٹ  
 آف انڈیا کو نظام کے سامنے تخفیف مصارف کی ایک مثال پیش کرنی چاہئے  
 جو ان کے مالیات کے لئے اس وقت سخت ضروری ہے۔“

میمو آئیرز صفحہ ۳۵۶ لے

(بقیہ صفحہ ۳۵۶)  
 جواب میں جو خط لکھا تھا اس میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس فنڈ کو تسلیم کر لیا جائے تو  
 اسکی ذمہ داری تہا برٹش گورنٹ پر نہیں لی جاسکتی جس فوج کا سالانہ انتظام برٹش گورنٹ کے ہاتھ میں تھا  
 اسکی بد انتظامی کی ذمہ داری سے برٹش گورنٹ کو سبکدوش قرار دینا صرف سلطنت برطانیہ کے لارڈ چیف  
 جسٹس ہی کا کام ہو سکتا ہے کسی اور کو یہ سعادت حاصل ہونی مشکل ہے۔

لیکن ان سپیم ہدایات اور خود لارڈ لہنوری کے اپنے وعدے کے باوجود  
 ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۳ء تک کنٹینٹ کے خرچ میں جس قدر کمی کی گئی اس کی  
 کیفیت ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۳ء میں کنٹینٹ  
 کی قوت حسب ذیل تھی۔

سال	یورپین افسر	نان کمینڈ افسر	سوار	پیدل	توپیں	شاگرد مشین	تین سالہ بچے
۱۸۴۹ء	۷۹	۹۰	۲۹۱۰	۶۷۳۱	۳۷	۸۸۱	۶۸۵۰۰۰
۱۸۵۳ء	۷۹	۸۲	۲۹۱۰	۶۷۳۱	۳۷	۸۸۱	۶۸۵۰۰۰

اسی کے متعلق سرزہری ولاک نے ۱۸۵۹ء میں ایک سخت احتمالی نوٹ  
 لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ

” مذکورہ بالا ہدایات جاری ہونے کے بعد سے نظام کی پریشانیوں بڑھ گئیں  
 اندرونی اضطرابات سے انکے ملک میں انتشار پھیل گیا کنٹینٹ کی خدمات  
 ان کو پیش کرنے سے انکار کیا گیا حالانکہ وہ جائز طور پر انکو دیا جاسکتے تھے  
 آمدنی میں مزید کمی ہو گئی۔ کنٹینٹ کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا۔ مگر کورٹ  
 کی ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کنٹینٹ کے اسٹاف میں  
 اسامیاں خالی ہوئیں اور گورنر جنرل نے ان کو پھر بھروا..... حیدرآباد کے  
 ریڈیٹ بڑے بڑے عالی پایہ افسر جارجس مٹھا، کرنل اسٹیوارٹ، جنرل فریزر  
 اور کرنل لویکے بعد دیگرے باوقاقت مختلفہ اظہار کرتے رہے کہ ہم اتر و معالجہ

۶۰  
 نظم کے خزانے پر اتنے بڑے بڑے مطالبات کرنے میں حتیٰ بجانب نہیں ہیں  
 اور یہ کہ کنٹیننٹ کے بارے بڑی حد تک اس ملی پریشانی کو پیدا کیا ہے جو  
 اس وقت ریاست کی طاقت کو خطرہ میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

لیکن عجیب لطف ہے کہ جو تخفیف ۱۸۴۸ء سے بلکہ صحیح یوں ہے کہ ۱۸۱۹ء  
 سے ۱۸۵۳ء تک نہ ہو سکتی تھی۔ وہی تخفیف برار لینے کے بعد پہلے ہی سال ممکن  
 ہو گئی اور ممکن بھی اس حد تک کہ جس فوج پر ۳۸ لاکھ روپے کھلا صرف ہوتے تھے  
 اسی پر ۱ لاکھ اور حد سے حد ۲۲ لاکھ روپے سالانہ خرچ ہونے لگے۔ یکم جنوری  
 ۱۸۵۳ء کو جب حیدرآباد کنٹیننٹ کی تنظیم جدید عمل میں آئی تو اس کا خرچ، الٹا  
 رکھا گیا تھا اور اسکے بعد کے اخراجات کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہو سکتا ہے۔

سال	یورپین فوج	نان کمیشنڈ افسر	سوار	پیادہ	توپیں	شاگرد مشہ	خرچ ساٹا
۱۸۵۵ء	۵۰	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۲	۶۲۲	۲۲۶۵۳۱۸
۱۸۵۶ء	۲۹	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۲	۶۲۲	۲۲۶۱۲۳۲
۱۸۵۷ء	۵۰	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۲	۶۲۲	۲۲۶۱۲۳۲

اب یہ بالکل ظاہر ہے کہ جتنی تخفیف معاہدہ برار کے بعد چار سال میں کی گئی  
 اگر اتنی ہی تخفیف معاہدہ سے پہلے چار سال میں کی جاتی تو کنٹیننٹ کے خرچ میں  
 ۶۰ لاکھ کی کمی ہو جاتی اور بجائے اس کے کہ ۱۸۵۳ء میں حضور نظام پر کمپنی کا  
 ۵۰ لاکھ روپیہ قرض ہوتا۔ خود نظام کے خزانہ میں ۱۰ لاکھ روپیہ الٹا بیچ رہتا۔

# ملک ہضم کرنے کی تدبیریں

اوپر کے بیانات سے یہ معلوم ہو چکا کہ اس کنٹریٹ کی ولادت ناجائز طور پر ہوئی تھی۔ اور اسکی پرورش بھی اتہنا درجہ کی فضول خرچی کیساتھ کی جا رہی تھی جس کا خود انگریزی حکومت کے ارکان کو اعتراف تھا۔ آئیے اب ہم دیکھیں کہ انگریزی ڈپلومیسی کے اس ناجائز سچے کو کس طرح "یار و فادار" کا ملک غصب کرنے کا ذریعہ بنایا گیا۔

مسلل تیس پینتیس سال کی بد نظمی اور روز افزوں انحطاط کو دیکھ کر برطانی مدیرین کا دل اس ریاست کو یا کم از کم اس کے زرخیز حصوں کو ہضم کر لینے کے لئے بے اختیار ہو رہا تھا۔ ۱۸۳۷ء میں لارڈ آکلینڈ نے حیدرآباد کے ریڈینٹ کرنل ایٹوارٹ کو جو ہدایات بھیجی تھیں ان میں لکھا تھا کہ کنٹریٹ کے قیام و بقا کو سب سے زیادہ اہمیت دو اور ان فوجوں کے مصارف کے لئے چند مخصوص اضلاع کا قبضہ حاصل کرنے کے مناسب مواقع تلاش کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔

۱۸۳۸ء میں جنرل فریزر کو جو ایک گرگ باراں دیدہ تھا۔ ریڈینٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا۔ اور اس نے یہاں کے حالات کا مطالعہ کر کے یہ رائے قائم کی کہ اب یہ قلمہ تر اتنا نرم ہو چکا ہے کہ اس کو آسانی کے ساتھ نکال جا سکتا چنانچہ اس نے ۶ اپریل ۱۸۳۹ء کو لارڈ آکلینڈ کے نام ایک طویل خط لکھا جس کے دوران میں وہ لکھتا ہے کہ

” ازالہ مرغن کے لئے جزوی مدیر لیا میں لاجل سمجھتا ہوں اس ملک کی حکومت کا عملاً اپنے ہاتھ میں لے لینے سے کم کوئی چیز میری رائے میں ان خرابیوں کا کافی علاج نہ ہوگی جو یہاں مصلی ہوئی ہیں“

فرزیر کا خیال یہ تھا کہ کمپنی حکومت نظام کو ایک کروڑ روپیہ قرض دے اور اس کے عوض نہ صرف تمام ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے بلکہ عربوں، روہیلوں اور دوسری نوجوں کو بھی منتشر کر دے۔ لیکن اس وقت ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

اس کے بعد فروری ۱۸۴۳ء میں اسسٹنٹ زریڈنٹ کیپٹن میکیم اور ہمارا جہنڈ و لال کے درمیان یہ گفت و شنید ہوئی کہ کمپنی سرکار نظام کو ۵۷ لاکھ روپیہ قرض دے اور رانچور، بیڑیا بار کے علاقوں میں سے کوئی حصہ لے لے۔ لیکن زریڈنٹ اور ہمارا جہنڈ میں ناچاقی تھی اس لئے یہ معاملہ طے نہ ہو سکا تاہم کمپنی کے ارباب صل و عقد کو اس تجویز سے حالات کا رخ معلوم ہو چکا تھا اسلئے اسی وقت سے آپس میں کھڑی کمپنی شروع ہو گئی کہ دکن کے زرخیز ملک پر کسی طرح تصرف حاصل کیا جائے۔ ۳۰ مئی ۱۸۴۳ء کو کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز نے گورنر جنرل کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ

” اگر اب کوئی مالی مصیبت نظام یا ان کے وزیر کو ہم سے مدد کرنیکی درجوا کرنے پر مجبور کرے تو برٹش گورنمنٹ کی خدا اس وضع شرط کے ساتھ پیش کر دی

میجسٹریٹز صفحہ ۴۴ لے

۱۶۳ ”

جائیں کہ وہ (یعنی برٹش گورنمنٹ) نظام کی جانب سے ان کے فائدے کی خاطر ملک کا نظم و نسق پورا پورا اپنے ہاتھ میں لے لیگی اور اگر ایسی صورت میں ہم نے انکی حکومت کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تو ہر ہائی نس کو صاف طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس وقت واپس نہ کیا جائے گا۔ جب تک ہماری حکومت اس امر کا اطمینان نہ کرے گی کہ نظام یا ان کے جانشین ملک کا عمدہ انتظام کرنے کے لئے مناسب بندوبست کر سکیں گے قابل پائے جائیں گے۔

دوسری طرف لارڈ ایلن بروکلکے میں انہی امور پر غور کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نواب خود اپنے صرف خاص کے خزانہ سے روپیہ دینے پر رضی نہ ہوں گے اور برٹش گورنمنٹ ہی سے مدد طلب کرنا ضروری سمجھیں گے۔ ایسی صورت میں وہ انکی درخواست کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ قرض کی ادائیگی کا پورا اطمینان ہو جائے اور اس اطمینان کی واحد صورت اس کے نزدیک یہ تھی کہ نظام کے تمام ممالک محروسہ کو برطانیہ انتظام میں لے لیا جائے اس غرض کے لئے حکومت میں ایک معاہدہ کا مسودہ بھی تیار کر لیا گیا جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ کمپنی نظام کو ایک ہزار روپیہ قرض دیگی اور اس کے عوض نظام اپنے تمام ممالک محروسہ کا انتظام برٹش ریزیڈنٹ یا دوسرے کسی افسر کو جسے برٹش گورنمنٹ منتخب کرے، دیوان کی حیثیت سے سپرد کر دینگے۔ تا آنکہ اصل رقم مع ۵ فیصدی سود برٹش گورنمنٹ کو واپس نہ مل جائے، اور برٹش گورنمنٹ کو اس امر کا اطمینان نہ ہو جائے کہ ہر ہائی نس اور ان کے جانشین ان ممالک

کہ انتظام ایسے طریقے سے کر سکیں گے کہ پھر اس قسم کی مالی مشکلات پیش نہ آئیں۔ اس تجوزہ معاہدہ کی سب سے زیادہ عجیب دفعہ یہ تھی کہ برٹش گورنمنٹ کے انتظام سے ریاست کے مالیات میں جو بچت ہوگی اس کو برٹش گورنمنٹ خود اپنے نصرف میں لائے گی۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ ریاست پر برٹش گورنمنٹ کا دومی قبضہ رہے گا، کیونکہ جب تمام بچت گورنمنٹ لے لیتی، تو ایک کر ڈر کا قرض معہ سود ادا ہونے کی کوئی صورت نہ رہتی، اور جب قرض ادا نہ ہوتا تو ریاست کا واگڈانٹ ہوتا معلوم

یہ تھا وہ جال جو یار و فادار کو چھانسنے کے لئے تیار کیا گیا تھا خوش قسمتی سے جنرل فریزر اور ہمارا جہ چند دلال کے باہمی اختلافات بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ ۶ ستمبر ۱۸۴۳ء کو ہمارا جہ اپنی خدمت سے علیحدہ ہو گئے اور کمپنی سے قرضہ مانگنے کی نوبت نہ آئی۔ اگرچہ ہمارا جہ نے سرکار نظام پر مختلف قسم کے جو قرضے چھوڑے تھے ان سب کو بھگتانے کے لئے ایک سرسری تخمینہ کے مطابق ۴ کر ڈر روپیہ درکار تھا۔ لیکن نواب ناصر الدولہ نے اس حوصلہ شکن صورت حال کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور انگریزوں کی طرف استعانت کا ہاتھ نہ بڑھایا۔ یہی واقعہ ہے جس کے متعلق لارڈ الن بروڈیسے افسوس کے لہجے میں جنرل فریزر کو لکھتا ہے کہ

”میں سوئے افسوس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ چند دلال قطعاً طور پر عہدے سے

میمو آئرز صفحہ ۱۸۶ لے

لے ۱۶۸ ”

۶۵  
 آگے ہو گئے قبل اس کے کہ انکی جگہ کسی ایسے آدمی کے تقرر کا انتظام ہو جاتا  
 جسے تم پسند کرتے اور ریاست کے زیادہ بھاری قرضوں کی ادائیگی کا  
 انتظام ہو تا جن میں فوجوں کی تنخواہوں کے بقایا بھی شامل ہیں چند لال  
 محض تمہاری مرضی سے گئے اور مجھے اندیشہ ہے کہ نظام پر ہماری گرفت کا  
 سب سے بڑا ذریعہ بھی گیا۔ اب اس کا بوس سے نجات پا کر نظام ہم کو چھلکوں  
 میں اڑائیں گے۔ مال مٹول کرینگے اور اصلاح کی راہ میں کچھ نہ کریں گے۔

## کینیڈنٹ کا متن

پہلے بند کی گرفت کھلتے ہی ”یارو فادار“ کے لئے دوسرا دام چیت کر لیا گیا  
 جس میں آخر وہ پھنس کر رہا۔ گو سرکار انگریزی کو اپنے دوست کا پورا ملک تو ہاتھ  
 نہ اسکا تاہم یہی کیا کچھ کم ہے کہ اس کا ایک تہائی حصہ اور سب سے زیادہ زخیر  
 حصہ اس کی دوستانہ دست برد سے نہ بچ سکا۔

کینیڈنٹ کے مصارف کا جو حال تھا وہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ایسے  
 مالی انتشار کے زمانہ میں جبکہ ریاست کے مدخل و مخارج کا توازن ہی درست  
 نہ تھا، اس ۴۲ لاکھ سالانہ کے مستقل مطالبہ کو پورا کرتے رہنے پر ریاست کسی  
 طرح قادر نہ تھی۔ ہمارا جب چند لال پہلے ولیم پامر کی کمپنی سے قرض لیکر اسکو پورا  
 کرتے رہے۔ پھر جب پامر کمپنی ٹوٹ گئی تو ملکی ساہوکاروں کا سہارا ڈھونڈا گیا۔  
 آخر جب ریاست کی ساکھ بالکل ہی گیر گئی تو اس رقم کا اداکرنا مشکل ہو گیا اور

تخوہیں بقایا میں رہنے لگیں۔ جولائی ۱۹۶۶ء میں جب مہاراجہ نے استعفیٰ دیدیا تو کنٹیجمنٹ کی ۶ چھینے کی تخواہ بقایا میں تھی۔ جنرل فریزر نے ریڈیو نمسی کے خزانے سے یہ روپیہ ادا کیا اور مرکزی حکومت کو اس کے متعلق لکھا وہاں سے جواب آیا کہ جتنے روپیہ کی ضرورت ہو اپنے خزانہ سے دینے جاؤ اور نظام کو مہلت دیتے رہو۔ اس طرح کنٹیجمنٹ کے حساب میں نظام کے ذمہ جتنی بقایا بکھلتی رہی اسے ریڈیٹ چیکے چیکے اپنے خزانہ سے ادا کرتا رہا یہاں تک ستمبر ۱۹۶۶ء میں یہ نام نہاد قرض ۳۸ لاکھ کی رقم خطیر تک پہنچ گیا۔

مہاراجہ چندو لال کی علیحدگی کے بعد نواب ناصر الدوہ بہادر نے دیوانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ شعبہ سیاسیات کی نگرانی (جس کا صلاحی نام اس وقت وکالت تھا) اسراج الملک (ابن میر الملک) کے سپرد کر دی تھی۔ اور مہاراجہ چندو لال کے بھتیجے راجہ رام بخش کو پیشیہ مقرر کر دیا تھا۔ اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ ان بھاری قرضوں میں سے جو مہاراجہ چندو لال چھوڑ گئے تھے، جون ۱۹۶۶ء تک ایک کروڑ ۲ لاکھ روپیہ ادا ہو چکا تھا۔ نواب کی خواہش تھی کہ بذات خود امور ریاست کی نگرانی کریں۔ مگر یہی وہ چیز تھی جس کو انگریزی حکومت نہیں چاہتی تھی۔ انگریزوں کی خواہش یہ تھی کہ نواب محل سر میں مشغول عیش و نشاط میں اور حکومت کا سارا کام ایک ایسے دیوان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے جو ریڈیٹ کے زیر اثر ہو۔ انگریزی ریڈیٹ جنرل فریزر نے اپنی تحریر میں

Our Faithful Ally P. 264

میمو آئرز صفحہ ۲۰۵

اس خواہش کا صاف صاف اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے، مئی ۱۹۴۳ء کے خط میں لارڈ الن پر لکھتا ہے کہ

”اس ملک کے اختیارات خود ہمارے ہاتھ میں آتے اور اس کا انتظام برطانوی افسروں کے سپرد کئے جانے سے کم اگر کوئی تدبیر اصلاح میرے خیال میں آتی ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک ایسا ذریعہ مقرر کیا جائے جو برٹش گورنمنٹ کی رائے کے ساتھ جس کا اظہار یہاں کے ریڈیٹ کے ذریعہ ہوا حقیقی نہ کہ بناوٹی اشتراک عمل کرے“۔

ان ہی خیالات کی بنا پر برٹش گورنمنٹ کی طرف سے بار بار زور و ڈالا جا رہا تھا کہ ایک ”لائق“ دیوان جلد سے جلد مقرر کیا جائے جب ان سب تقاضوں کو کوئی اثر نہ ہوا تو اپریل ۱۹۴۷ء میں لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل نے نظام کو ایک خط لکھا جس میں ریاست کی بدانتظامی پر سخت نکتہ چینی کی گئی تھی اور ڈھکے چھپے الفاظ میں کہہ دیا گیا تھا کہ اگر ہمارے ”دوستانہ نصح“ پر توجہ نہ کی گئی تو نتائج خطرناک ہوں گے۔ جون ۱۹۴۷ء میں جب ۵ کمرش زمینداروں نے عذر برپا کیا تو حکومت نظام کو کنٹریبنٹ کی خدمات دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اور ریڈیٹ نے طرح طرح کی مشکلات پیدا کرنی شروع کیں۔ اس نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا کہ وہ دیوان کے تقرر کے لئے نظام پر سختی کے ساتھ زور ڈالے اور اس کے ساتھ ہی اس قرض کا بھی تقاضا کرے جو کنٹریبنٹ کے سلسلہ میں ۳۸ لاکھ کی رقم کی ہونے چکا،

میو آئیرز صفحہ ۲۰۳ لے

میو آئیرز صفحہ ۲۰۷ لے

اس تجویز کے مطابق، ستمبر ۱۸۴۶ء کو لارڈ ڈالنگ نے نواب ناصر الدولہ بہادر کے نام ایک اور خط لکھا جس میں دیوان کے تقرر اور قرض کی ادائیگی پر بہت زور دیا گیا تھا اس کے ساتھ ہی رزولوشن کو لکھا گیا کہ نظام پر دو باؤڈلٹے کے لئے جس فوجی مظاہرہ کی ضرورت ہے وہ فی الحال ممکن نہیں ہے کیونکہ مدرس کی فوج ساگر و نربدا میں مشغول ہے۔ بمبئی کی فوج سندھ میں ہے اور بمبئی کی فوج لاہور یا رکی ہوئی ہے۔

انگریزی حکومت کے زور دینے پر نظام ایک ایسا دارالہمام کے تقریر پر رہنی ہو گئے اور انہوں نے نواب شمس الامراء امیر کبیر کو اس منصب کے لئے منتخب کرنا چاہا لیکن رزولوشن سراج الملک سے سخت و پزیر کر چکا تھا اس نے انہی کے تقرر پر زور دیا اور اعلیٰ حضرت کی ناراضی کے باوجود وہاں تک زور دیا کہ انہی کو مقرر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ سراج الملک سے اعلیٰ حضرت کی ناراضی کسی ذاتی کاوش کی بنا پر تھی بلکہ اس بنا پر تھی کہ انہوں نے اپنے آپکو رزولوشن کے حوالہ کر دیا تھا۔ ۲ نومبر ۱۸۴۶ء کو امین اس ن جبکہ سراج الملک دارالہمام بنائے گئے، اعلیٰ حضرت نے خود سراج الملک کی موجودگی میں جو گفتگو کی تھی اس کا مفہوم رزولوشن کے الفاظ میں یہ ہے کہ

”بڑے صلاح کاروں نے سراج الملک کی طرف سے نہرائی نس کے ذہن کو مسوم کر دیا ہے اور انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ میرا مقصد سراج الملک کے تقرر

میرٹنز صفحہ ۲۰۹ لہ

۳۴۳۰ - تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۳۴۳

کی تجویز کرنے سے دراصل ان کو یہ موقع دینا ہے کہ آخر کار ملک کو برٹش گورنمنٹ کے سپرد کر دیں۔

سراج الملک کے مدارالمہام ہوتے ہی مطالبہ قرض کے تمام تقاضے نید ہو گئے اور زڈیٹ کے مشورے سے کاروبار سلطنت انجام پانے لگے۔ فوجی معاملہ کے سلسلے میں انگریزی مفاد کی سب سے بڑی خدمت جو سراج الملک نے کی وہ یہ تھی کہ ان ایسی فوجوں کو جن کا ایک بڑا حصہ عربوں اور پٹھانوں پر مشتمل تھا جو کلیتہً نظام کے زیر اختیار تھیں اور جن پر کسی خطرے کے وقت نظام اپنی حفاظت کیلئے بھروسہ کر سکتے تھے موقوف کرنا شروع کر دیا۔ ریوی کی جمعیت کے منتشر ہونے کے بعد ہی ایسی فوج رہ گئی تھی جس پر نظام کی ساری جنگی طاقت کا انحصار تھا۔ اور اسی فوج کا وجود انگریزی حکومت کو کھٹک ہاتھ نواب ناصر لدولہ مرحوم کے زمانہ میں اس فوج کی کل تعداد ۳۵ ہزار کے قریب تھی جن میں دس ہزار سپاہی خاص اور سلطنت میں موجود رہتے تھے انگریز حکومت چاہتی تھی کہ انہیں موقوف کیا جائے یا کم از کم انکی تعداد نصف سے زیادہ کھٹا دی جائے حکومت نظام جب کبھی کنٹیننٹ کے کثیر اخراجات کے لئے روپیہ بہم پہنچانے سے اپنی معذوری ظاہر کرتی تو جواب میں بھی تجویز پیش کر دی جاتی تھی کہ اس بیکار راہبہ پر جو ۷۳ لاکھ روپیہ سالانہ تم خرچ کرتے ہو اسے بند کرو اور کنٹیننٹ کے لئے روپیہ دو۔ سراج الملک نے انگریزی حکومت کی اسی خواہش کو اپنے عہد فرار میں پورا کرنے کی کوشش کی اور ۱۸۷۷ء میں تقریباً ۱۰ ہزار فوج کو برف کر دیا خود دار سلطنت کی فوج میں سے ۶ ہزار فوج کو انگریزی رسالوں کی مدد سے زیر دستہ منتسب کیا گیا

اور اس طرح مرکز حکومت میں خود اپنی فوج صرف ۴ ہزار رہ گئی حالانکہ سکندرا باد سے احوال تک جو انگریزی فوج پڑی ہوئی تھی اسکی تعداد پانچ چھ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

سراج الملک کی اسی انگریز پرستانہ پالیسی کو دیکھ کر نواب ناصر الدولہ بہادر کی ناراضی یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور نے انکی باریابی تک تہذیب کو ہی اور عیدین پر نذرانہ تک پیش کرنے کیلئے ان کو حاضری کا موقع نہ دیا۔ ستمبر ۱۸۴۶ء میں اصل حضرت نے رزٹرنٹ کو بلا کر اپنی اس خواہش کا صاف اظہار کر دیا کہ وہ سراج الملک کو بلازمہامی سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔ انگریزی حکومت سراج الملک حمایت کا عہد کر چکی تھی اور کرنل لونے اپنی آنکھ سے کورٹ آف ڈائریکٹرز کا وہ مسئلہ دیکھا تھا جس میں گورنمنٹ آف انڈیا کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ سراج الملک کی قطعاً تائید کی جائے۔ لیکن اس کے باوجود نواب ناصر الدولہ صیغے فرمانروا کے سامنے حکم کھلا دیوان کی حمایت نہیں کی جاسکتی تھی اس لئے لارڈ ڈوہوری نے اکتوبر ۱۸۴۸ء میں رزٹرنٹ کو لکھا کہ نہرانی نس خود مختار ہیں جسکو چاہیں زیر مقرر کر دیں لیکن انہیں صاف طور پر متنبہ کر دو کہ اس کا انجام بہت ہلاکتوں کا۔ لارڈ ڈوہوری کے الفاظ یہ تھے۔

”گورنر جنرل نہرانی نس کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر وہ اسی روش پر چلتے رہے تو ان کا ملک خوش حال اور پرامن نہ رہے گا اور ایسی صورت میں برٹش گورنمنٹ خود اپنے مقبوضات کے سکون اور اپنی رعیت کے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے

۷۶۔ رشید الدین خانی صفحہ ۳۷۵-۷۶

میرواپیر صفحہ ۲۵۶ ۷۷

۷۱  
 ایک ہمسایہ ریاست میں شورش و اضطراب کے وجود کو گوارا نہ کر سکے گی  
 خصوصاً جبکہ وہ خود اس کے اپنے مفاد اور سلامتی و اطمینان کے لئے  
 مضرت رساں ہو۔ ایسے حالات میں برٹش گورنمنٹ غالباً اپنے آپ کو  
 مجبور پائے گی کہ نہر پائی لس کی مملکت کے اندرونی انتظام میں قطعاً دخلت  
 کرے تاکہ اپنی رعیت تک اس مضرت اور تکلیف کو پہنچنے سے روک دے  
 جو ایک ہمسایہ ریاست کی پرآگندہ حالت سے ان پر نازل ہونی  
 ضروری ہے۔

یہ تنبیہ نامہ نظام تک پہنچا گیا مگر انہوں نے اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ جنرل  
 فرزیر نے کہا کہ ایسی حالت میں سراج الملک کی علیحدگی گورنر جنرل کی ناراضی کا  
 باعث ہوگی۔ نواب نے جواب دیا کہ اگر گورنر جنرل ناحوش ہوں گے تو بہتر ہے کہ غمخاں  
 تآب اور مغفرت تآب کی جگہ پر بھی سراج الملک ہی بٹھائے جائیں۔ آخر کار سراج الملک  
 نومبر ۱۸۴۲ء میں الگ کئے گئے اور انکی جگہ عارضی طور پر امجد الملک مدرا المہام بنا کر  
 اوہر سراج الملک ہٹائے گئے، اور اوہر قرض کا تعاضد شروع ہو گیا، دسمبر  
 ۱۸۴۸ء میں زرڈینٹ کے نام حکم آیا کہ کنٹریٹ کے حساب میں نظام کے ذمہ جو قرض ہے  
 اس کی مقدار اب بہت ہو گئی ہے نظام سے کہو کہ سود برابر ادا کرتے رہیں اور اصل  
 رقم کی ادائیگی کا جلد انتظام کریں۔ نیز کنٹریٹ کی تنخواہوں کے ادا کرنے میں

میر آئینز صفحہ ۲۶۶ لے

۷۲ رشید الدین خانی صفحہ ۳۸۱

۷۳ پہلے ۱۲ فیصدی کی شرح لگائی گئی تھی۔ ۱۸۴۵ء میں اسے گھٹا کر ۶ فیصدی کر دیا گیا۔

انجیل کے سہل کو گوارا نہیں کیا جائے گا۔ آخر میں لکھا تھا کہ :-

نہ بڑائی نس صاف طور پر سمجھ لیں کہ اگر ان مطالبات کو باقاعدگی کے ساتھ پورا کیا گیا تو گورنر جنرل ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرنے پر مجبور ہونے جو ان مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی موثر نہ ہوں جن کا اس گورنمنٹ نے ایمانداری

کے ساتھ عہد کیا ہے اور خود اس کے اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے بھی ہے۔

اس دھمکی کا اثر یہ ہوا کہ نواب ناصر الدوہ نے امجد الملک کی جگہ نواب شمس الامراء امیر کبیر کو مدارالمہام مقرر کیا۔ اور شمس الامراء نے کنٹریبنٹ کی تنخواہ ماہ ۵ ماہ ۱۵ ادا کرنے کا انتظام کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ریڈینٹ کو یقین دلایا کہ وہ قرض کا سود برآہ دیتے رہیں گے اور اصل میں سے ۵ لاکھ سالانہ ادا کریں گے جس سے ۱۲ سال میں کل قرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن ریڈینٹ نے اتنی مہلت دینے سے انکار کر دیا۔

شمس الامراء نے جس طریقے سے ملک کا انتظام شروع کیا تھا اس سے امید ہوتی تھی کہ وہ اس عظیم الشان خطرے سے اسکو بچالیں گے جو قضاے مبرم کی طرح اس کے سر پر منڈلا رہا تھا لیکن افسوس کہ دربار کی سازشوں نے اس وفادار خادم دولت کو ۵ مہینے بھی چین سے نہ ٹھکنے دیا اور آخر کار مئی ۱۸۴۹ء میں اسے استعفیٰ دینا پڑا۔

جون ۱۸۴۹ء میں ڈلہوزی نے ریڈینٹ کو لکھا کہ ایک نوٹس کو راجح و صحیح کو نظام سے نسلج اعمال کے ہاتھوں چھوڑ کر کھٹے جائیں گے۔ ایک اور خط میں اس نے لکھا کہ ”مجھے بڑا افسوس ہے کہ نظام خود اپنے ہاتھوں اپنا سر چھوڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر

انہوں نے ایسا کرنے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے، تو میں اس کا انتظام کر لوں گا کہ اس گورنمنٹ کے مفاد کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔ اودھ میں انکی شاہی برادری کا ایک دوسرا بھائی اسی روش پر چل رہا ہے، جو یہی کہ لارڈ ہارڈنگ کی دی ہوئی دو سالہ مہلت ختم ہوگی میں کارروائی کرنے پر مجبور ہوں گا۔ مختصر یہ ہے کہ میرے ہاتھ کچھ عرصہ کے لئے ان مورکھ رئیسوں سے بھرے لہتے نظر آ رہے ہیں۔

ان دھکیوں میں جو مغنے پوشیدہ تھے وہ کچھ زیادہ عرصہ تک چھپے نہ رہے شمس لامرا کی علیحدگی کے بعد کنٹیننٹ کی تنخواہیں پھر بقایا میں رہنے لگیں اعلیٰ حضرت نے راجہ رام بخش کو دوبارہ پیش کار مقرر کیا مگر انتظام کے لئے ان سے زیادہ قابل آدمی کی ضرورت تھی۔ آخر ستمبر ۱۸۲۹ء میں نظام کو نوٹس دیدیا گیا کہ ۳۱ دسمبر ۱۸۲۵ء تک تمام قرض ادا کر دیا جائے۔ ورنہ برٹش گورنمنٹ جو مناسب سمجھے گی کرے گی۔ لارڈ ڈلہوزی نے صاف کہہ دیا کہ بحیثیت قرض خواہ اس گورنمنٹ کو نظام پر رحم کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اب وہ انکو ڈھیل نہیں دیگی۔

## قرض کے بدلے ملک کا مطالبہ

ڈلہوزی خود جانتا تھا کہ ۱۵ مہینہ کی مدت میں نظام کے لئے ۶۰ لاکھ روپیہ کی رقم مع سود ادا کرنا مشکل ہے خصوصاً جبکہ اسکے ساتھ ہی کنٹیننٹ کے سلسلہ میں لگے

میمو آرز صفحہ ۲۹۱ تا ۲۹۲ء

میمو آرز صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۰ء

۲۵ ہزار روپیہ مہینہ کا مستقل خرچ بھی ان کے ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے اس نے نوٹس دینے کے بعد ہی نومبر ۱۸۴۹ء میں رزٹرنٹ کو کھٹا کہ اب میں نے ایک آخری کارروائی کرنے کا غم کر لیا ہے لہذا تم غصیہ طور سے اپنی رائے بتاؤ کہ قرض کے عوض کفالت میں نظام کے ملک کا کونسا حصہ مانگنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کے جواب میں جنرل فرزیر نے ۱۹ دسمبر ۱۸۴۹ء کو ڈیپوٹری کے نام ایک طویل خط لکھا جس کے بعض حصے قابل مطالعہ ہیں۔

”برار پائین گھاٹ تجارتی اور زرعی دونوں حیثیات سے نظام کی مملکت کا سب سے زیادہ زرخیز اور نفع بخش حصہ ہے اور میں نے کبھی نہیں سنا کہ اس کی مالگاری کے دھول کرنے میں کوئی دقت پیش آئی ہو میں یقین رکھتا ہوں کہ روٹی کی پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان کا کوئی خطہ اس پر فوقیت نہیں رکھتا اور اس چیز کی پیداوار اور برآمد ہمارے انتظام میں آس سے بدرجہا زیادہ ہو جائے گی جتنی اب تک رہی ہے۔

آگے چل کر فرزیر کہتا ہے کہ اس علاقہ کی آمدنی کے متعلق زیادہ تحقیق کرنا مشکل ہے کیونکہ کھود کھود کر پوچھنے سے شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے پھر لکھتا ہے۔

”اگر کل آمدنی صرف ۳۵ لاکھ ہوئی جیسا کہ یہاں فرض کیا جا رہا ہے تو اس کمی کو قریب کا فریڈ علاقہ لیکر پورا کیا جاسکتا ہے۔ اور ایسا کرنا ضروری ہی ہوگا جبکہ ہم کنٹینٹ کے مصارف کے ساتھ پادیسائی کی چوتھ اور چھپتہ رام کے خاندان کے سالیانہ کو بھی شامل کر لیں جسکی مجموعی مقدار ۱۲۶۰۰۰

تک پہنچتی ہے۔ نیز... ۲۲ سالانہ کے سود کو بھی شامل کر لیں جو نظام کے قرض پر عائد ہوگا۔ اس طرح کنٹریجنٹ کا خسارہ اور یہ قیس ملکر تقریباً سات آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ ہو جائیں گی۔ اور اس کے لئے مناسب ہوگا کہ ضلع دولت آباد کا ایک حصہ بھی لے لیا جائے۔ اگر نظام اس پر اعتراض کریں کیونکہ غالباً وہ اپنی مملکت کے اس حصہ کو ہمارے انتظام میں لینا پسند نہ کریں گے جس میں اورنگ آباد اور دولت آباد واقع ہیں تو ہم انڈیٹر اور کلیم کے ضلع کا بالائی حصہ طلب کر سکتے ہیں کہ وہ بھی کمی کو پورا کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

شہہ کا ابتدائی زمانہ خاموشی کے ساتھ گذرا کیونکہ سال کے آخر تک کی جہلت دیجا چکی تھی۔ نظام ادائے قرض کے انتظام کے لئے برابر جدوجہد میں مشغول تھے لیکن جب سال ختم ہونے کے قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ مدت مقررہ کے اندر قرض ادا نہ کر سکیں گے۔ راجہ رام بخش شیکارا کی توقعات کو پورا نہ کر سکے قرض کی مقدار ۶۴ لاکھ تک پہنچ گئی اور خزانہ میں کچھ جہیانہ ہو سکا۔ آخر، راکتو بڑشہہ امر کو اعلیٰ حضرت نے اپنیں لگ کر دیا اور رزیدنٹ کو بلا کر کہا کہ راجہ رام بخش نے مجھ کو قطعاً وعدہ کیا تھا کہ ۶۰ لاکھ روپیہ جہیا کر دینگے مگر ان کا وعدہ غلط نکلا اب مجھے مزید جہلت دو، میں پچاس من میں ۳۰ لاکھ روپیہ دیدو سکا اور اس کے بعد دو سال کے اندر پوری رقم ادا کر دو سکا، لیکن رزیدنٹ نے جہلت دینے سے نہ انکار کیا اور نہ اقرار

میوا نر صفحہ ۳۰۵ و ۳۰۶ لے

۳۱۴ لے

۱۶ دسمبر کو اعلیٰ حضرت نے سراج الملک کے ہاتھ پھر پیام بھیجا کہ ہم ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ کے حساب سے قرض ادا کر دیں گے لیکن رزٹرنٹ نے صاف جواب دیا کہ مجھے امید نہیں کہ گورنر جنرل اپنے فیصلہ کو بدل دیں گے ۲۲ دسمبر کو اعلیٰ حضرت نے خود جنرل فرزیر کو بلا کر فرمایا کہ میرے پاس اب بھی سوا کروڑ روپیہ کے چاہر موجود ہیں تم برٹش گورنمنٹ کو اطمینان دلا دو کہ اس کا قرض ڈوبے گا نہیں۔ لیکن رزٹرنٹ کا وہی ایک جواب تھا کہ میں آپ کے ارشادات گورنر جنرل تک پہنچا دوں گا مگر مجھے امید نہیں کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدلے گے۔ اس طرح مدت معینہ گزر گئی اور قرض ادا نہ ہو سکا اس وقت قرض کی تعداد ۷ لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی۔

اسی زمانہ میں برار کو جسے ارض موعود سمجھا جا رہا تھا انگریزی تسلط کیلئے تیار کرنے کی تدبیریں شروع کر دی گئیں۔ انگریزی علاقہ سے روہیلوٹی ایک تعداد کثیر اس علاقہ میں گھس آئی اور اس نے وہاں شورشِ بدہنی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور وہاں کے پُرمان باشندے انکی شرارتوں سے بھاگ بھاگ کر انگریزی علاقہ میں پناہ لینے لگے۔ یہ ملک گیری کیلئے جواز کا پہلو بنانے کی پرانی تدبیر و مچلت برطانیہ کی توسیع کیلئے بارہا استعمال کی جا چکی ہے اسکے ساتھ ہی رزٹرنٹ نے جنوری ۱۸۵۷ء میں ملک برار کا پورا نقشہ معہ تعلقہ وار آمدنی کے بنا کر گورنر جنرل کو بھیجا اور لکھا کہ میری رائے میں برار پائین گھاٹ اور برابر بالا گھاٹ ہمارے مقاصد کیلئے بہتر ضلع بنونگے مگر انکے ساتھ ہمیں کار دولت آباد کو بھی شامل کر لینا چاہئے۔ یہی نہیں بلکہ اسی زمانہ میں جنرل فرزیر نے ان فزوں کو بھی نامزد کر دیا جسے پڑوہ برار کا انتظام کرنا چاہئے۔

اس وقت نظام کیلئے مالی مشکلات سے زیادہ پریشاں کن یہ چیز تھی کہ وزارت کے لئے کوئی ایسا وفادار آدمی نہ ملتا تھا جو رزٹرنٹ کے اثر سے آزاد رہ کر ایمانداری کے ساتھ ان کی خدمت کر سکے۔ فروری ۱۸۵۱ء میں انہوں نے غور و خوض کے بعد گنیش راؤ کو پیش کار بنایا جس کی خصوصیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ رزٹرنٹ کے بجائے خود اعلیٰ حضرت کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن سکتا تھا لیکن اسکی ناقابلیت نے رزٹرنٹ کو مخالفت کا اچھا بہا دیا اور اس نے گنیش راؤ کے ساتھ سرکاری تعلق رکھنے سے صاف انکار کر دیا۔

اسکی اصلی سہائیت یہ تھی کہ نظام نے ایسے شخص کو پیش کار بنایا ہے جو ان کے ہاتھ میں کٹ پتلی کی طرح باجتا ہے۔ حالانکہ اس کو رزٹرنٹ کے ہاتھ میں ناچنا چاہئے فریئر کی رائے میں بہتر تو یہ تھا کہ سارا ملک انگریزی انتظام میں لے لیا جائے۔

۱۸۵۱ء میں اس امر کی تصریح ضروری ہوئی کہ فریئر ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۲ء کے وسط تک ابراس اپر زورڈیٹارہ کو پوری ریاست انگریزی انتظام میں لے لیا جائے لیکن لارڈ ایلن بڑا لارڈ ہارڈنگ لارڈ لہوری انہوں نے رزٹرنٹوں کو اپنے اپنے عہد حکومت میں اتنی فرصت ملی کہ وہ اس عمل کو تے لے کر اپنے اپنے وقت میں جہت منہاس لگائی تو اس نے اپنے ۲۰ فروری ۱۸۴۲ء کے خط میں منطوب پر لکھا کہ "آج کل ہندوستان میں فوج کی زیادہ ضرورت ہو چکی ہے ہونکہ ہمیں چین سے آ رہے ہیں اور یہاں تک کہ اس وقت میں دو کام نہیں کر سکتا جب اس کا وقت آئے گا تو اس کے ساتھ ساتھ کبھی سلجھایا جائے گا۔ (میرا کور صفحہ ۲۰۲) لارڈ ہارڈنگ کے زمانہ میں جب فریئر نے پھر اس مسئلہ کو چھیڑا تو اس نے معذرت کی کہ مدرسہ کالج اور بیٹری کی وجہ سے گرتی رہا، لاہور اور سندھ میں بھینسی مٹی ہے اسلئے کچھ نہیں کیا جاسکتا (میرا کور صفحہ ۲۰۹) پھر لارڈ لہوری کے زمانہ میں اس نے معذرت یہ اس تجویز کو پیش کیا ڈھلوی نے منافع انداز میں اسے دیکھا کہ ہمارا ایسا کرنا بد عہد اور بیجا ہے اسکی کامیابی ہوگا مگر اتنے کے لئے

اگر ایسا نہ ہو سکے تو۔

”اس کا واحد بدلہ، اگرچہ بہت ناکافی ہی ہے، صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دیوان اس صبح منہاجت کے ساتھ مقرر کیا جائے کہ اگرچہ وہ آخر میں اپنے بادشاہ اور ملک کے سامنے جوابدہ ہوگا لیکن حکمرانی میں اس کے اختیاراً مطلق ہوں گے اور اسے زریڈنٹ کی موافقت سے کام کرنا ہوگا۔“

ایک دوسری تحریر میں فریڈر نے حیدرآباد کی مدارالمہامی کے متعلق اپنا نقطہ نظر اس طرح پیش کیا ہے۔

”اس ملک کے انتظام میں کوئی ایسا شخص اچھی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا جو ملک کے باشندوں کا اعتماد نہ رکھتا ہو۔ اور اس سے بھی زیادہ فروری صفت کی حیثیت سے، جس کو برٹش گورنمنٹ کے اعتماد نہ حاصل ہو۔“

میمو آئرز صفحہ ۳۳۱ ۷

میمو آئرز صفحہ ۳۳۳ ۷

(بقیہ صفحہ ۷۲) پنجاب و صوبہ سرحد کی زبرد فوجی شکست اس کو اتنی مہلت نہیں کی کہ حیدرآباد کی پوری ریاست پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا، اگر تو برس ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں خود لکھا ہے کہ خواہ وہ اتنا کچھ پیش آئیں جب تک پنجاب میں جنگ ختم نہ ہو، اور ملک کے اس حصہ کے معاملے نہ ہو جائیں حکومت مہندہ نہ تو حیدرآباد کی سلطنت میں کسی قسم کی بڑی مداخلت کا بار اٹھا سکتی، چنانچہ کسی بڑے سیاسی انقلاب کا انتظام کر سکتی ہے، اگر نظام اپنے مصائب کو بڑھانا پسند کرتے ہیں تو وہ خود اپنے راستے پر چلتے رہیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کو ابھی ان کی خبر لینے کی فرصت نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ فی الواقع لڑنا ہی چاہیں تو ایسی صورتیں پیشکش ہم ان سے ممکن ہیں گے (میمو آئرز صفحہ ۷۲)

۷۹  
 رزٹرنٹ اور نظام کے درمیان یہی کشمکش جاری تھی کہ ۶ جولائی ۱۸۵۷ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری کی جانب سے ایک طویل مراسلہ جنرل فرزیر کو موصول ہوا جس میں برابر پائین گھاٹ اور دوآبیرا پچور کے متعلق اس کی تجاویز پر اظہارِ پسندیدگی کیا گیا تھا اور گورنر جنرل کی طرف سے اسکو ہدایت کی گئی تھی کہ نظام سے اس ملک کی تفویض کا مطالبہ کرے۔ آگے چلکر اس خط میں لکھا تھا کہ

”اگر نظام تمہاری مقرر کی ہوئی مدت کے اندر گورنمنٹ کے مطالبات کو پورا نہ کریں تو تم ان سے ایک تعلق جو اب لینے کے لئے آخری ملاقات کی درخواست کرنا۔ اگر نہ ہائی نس اس موقع پر بھی راضی نہ ہوں یا ایسے انتظامات کرنے سے قاصر ہیں جو مطلوب ہیں تو اس سے تم گورنر جنرل کو مطلع کرنا۔ اس قسم کی اطلاع ملنے پر تمہیں اس امر کے متعلق ہدایات بھیج دی جائیں گی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے مبنیہ اعراض کے لئے مذکورہ اضلاع پر قبضہ کر لو ان ہدایات کے ملنے کی امید پر تم سمجھو کہ آیا تمہیں سب سٹیڈی رینج اور کنٹریکٹ کے علاوہ کچھ اور فوج بھی اس فیصلہ کی تکمیل کیلئے درکار ہوگی؟“

اس کے ساتھ ہی فرزیر کو لارڈ ڈلہوزی کا ایک خطیہ بھی ملا جو اعلیٰ حضرت کے نام لکھا گیا تھا۔ خود لارڈ ڈلہوزی کے الفاظ میں اس کا مخاطب ایک پُرانا اور گہرا دوست تھا جس کے ساتھ پچاس سال سے زیادہ عرصہ سے برٹش گورنمنٹ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس خط میں اسی ”یار وفادار“ کو اس برٹش گورنمنٹ کے غضب سے ڈرایا گیا تھا جس کی طاقت کا یہ حال

تھا کہ۔

”بہرگاہ خواہد آں عالی شان را پامال ساخته بے نام و نشان سازد۔  
 ان خشمناک دھمکیوں کے ساتھ دو امور کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ایک یہ کہ  
 کنٹینٹ کے سلسلہ میں جو قرض ۷۵ لاکھ تک پہنچ چکا ہے اسے ادا کرو۔ دوسرے  
 یہ کہ کنٹینٹ کا خرچ باقاعدگی کے ساتھ دو جس کے تم از روئے معاہدہ پابند ہو۔  
 ان دونوں اغراض کے لئے نظام پر زور دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عرب اور دوسری  
 بیقاعدہ فوج کو برطرف کر دیں تاکہ کنٹینٹ کی پرورش کیلئے کافی رقم بچ سکے۔  
 اس خریطے نے دربار میں ایک کھلبلی مچا دی۔ نواب ناصر اللہ کو ایک طرف  
 گورنر جنرل کی درشت کلامی سے انتہائی بیخ پھونچا اور دوسری طرف ریاست کے  
 مستقبل کے متعلق سخت تشویش لاحق ہوئی۔ آخر اس بلا کو ٹالنے کیلئے انہوں نے  
 جون ۱۸۵۷ء کے آخر میں سراج الملک کو از سر نو دیوان بنایا اور اگلے قرض  
 کے لئے شدید جدوجہد شروع کر دی جو کچھ خزانہ سے ہمایا ہو سکا وہ بہت کم تھا  
 کمی کو پورا کرنے کے لئے نواب نے خود اپنے پاس سے ایک جنبیہ۔ ایک سرپی  
 ایک گنٹھی۔ ایک ہار۔ ایک طرہ ایک جوڑہ مستبذ۔ اور ایک پارہ الماس  
 ناما تراشیدہ دیکر اسے رهن رکھا۔ کچھ ریاست کے امراء سے روپیہ لیا اور اس طرح  
 ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء کو ۵۴۵۰۸۴۴۰ کلدار ریڈینٹ کے حوالے کئے اب صرف  
 ۱۵۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ لارڈ ڈلہوزی نے خود بار بار اعتراف کیا تھا کہ نظام پر از روئے معاہدہ  
 کنٹینٹ رکھنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۲۰۶۹۷۷ روپے باقی رہ گئے تھے جس کے لئے نظام نے ۳۱ اکتوبر تک کی  
 مہلت لی لیکن اس مدت میں اتنی رقم کا انتظام نہ ہو سکا اور ڈسمب میں صرف  
 ۸۷۳۵۲ روپے ادا کئے جاسکے۔

۱۹۵۲ء کا آغاز اس طح ہوا کہ نظام ادائے قرض کے لئے جان توڑ جدوجہد  
 کر رہے تھے اور انگریزی حکومت قرض کے بدلہ میں ملک لینے کی تدبیروں میں  
 منہمک تھی۔ اب انگریزی حکومت کی طرف سے قرض کا تقاضا بہت سست ہو گیا  
 تھا بلکہ اپریل ۱۹۵۲ء میں ٹولارڈ ڈلہوزی نے ریڈیٹ کو لکھ دیا تھا کہ :-

کنٹینٹ کی تنخواہیں باقاعدہ ادا کرنے کا ضرور انتظام کرو گنا وقت  
 کمپنی کے اصل قرضہ کی ادائیگی پر زور دینے سے احتراز کرو۔

ڈلہوزی کی خواہش یہ تھی کہ نظام کو کافی عرصہ تک قرض کی طرف سے  
 غافل رکھا جائے اور جب قرض اس حد تک پہنچ جائے کہ ادا کرنا ان کیلئے  
 مشکل ہو تو دفعہ ملک کی تفویض کا مطالبہ کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء کے  
 اداسط میں اسی پالیسی کے مطابق ملک مضام کرنے کے نقشے بنتے رہے۔ ڈلہوزی کو  
 پورا احساس تھا کہ موجود الوقت معاہدات سے برٹش گورنمنٹ کو کنٹینٹ رکھنے  
 اور اس کا خرچ نظام سے لینے کا کوئی حق نہیں ہے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ نظام  
 سے ایک جدید معاہدہ کیا جائے جس کی رو سے کنٹینٹ کو جواز کا جامہ پہنا دیا جا۔  
 اور اگر نظام اس پر رضی نہیں تو ان سے زیر دستی دستخط حاصل کئے جائیں۔ ۱۶ ستمبر  
 ۱۹۵۲ء کو اس نے فریزر کے نام جو خط بھیجا تھا اس میں یہ بیان کرنے کے بعد

از روئے معاہدہ کنٹینٹ کا وجود جائز نہیں ہے۔ وہ لکھتا کہ

”میرے بیان کردہ وجوہ کی بنیاد پر ہم کو قطعی طور پر یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ کنٹینٹ کو ایک ایسے معاہدہ کے ذریعہ واضح اور محفوظ بنیاد پر قائم کر لیا جائے۔

جو خاص اسی مقصد کے لئے ۱۸۷۱ء کے معاہدہ کے ضمیمہ کی حیثیت سے طے کیا جائے، کنٹینٹ کی مقدار اور اس کے فریض وغیرہ بصراحت متعین کر دیئے جائیں اور اس کے مصارف کے لئے ایک حصہ ملک برٹش گورنمنٹ کے سپرد کیا جائے۔ یہ علاقہ محض تفویض کیا جائے گا۔ اس کے شاہی حقوق منتقل نہیں کئے جائیں گے اور یہ تفویض اسی بنیاد پر ہوگی جس پر سندھیا نے ۱۸۴۳ء میں گوالیار کا ایک علاقہ کنٹینٹ کے لئے تفویض کیا ہے وہ خاص علاقہ جو اس طرح تفویض کیا جائے گا وہی ہوگا جس کو حکومت ہند اس وقت تک اپنے تصرف میں رکھنے کی خواہش ظاہر کر چکی ہے جب تک کہ وہ قرضہ جو اس کے قرض میں واجب الادا ہے پورا کالوریا با زیافت نہ ہو جائے حکومت کے حقوق استعمال کرنے کی قوت لامحالہ ہم کو ان اضلاع میں حاصل ہونی چاہئے جو نظام ہمارے سپرد کریں گے۔“

” اس تفویض کردہ علاقہ کی آمدنی انتظام کے اخراجات وضع کرنے کے بعد اس طرح صرف کی جائے گی (۱) کنٹینٹ کے مصارف میں (۲) مذکورہ بالا قرض کے سود میں (۳) چھوٹی چھوٹی مدات میں (۴) باقی بچت اگر رہی تو وہ نظام کو ادا کر دی جائیگی۔ اور ان کی اطلاع و طمانیت کیلئے منصفانہ علاقہ کے حسابات سال کے سال حکومت ہند کی طرف سے پیش کئے جائیں گے۔“

اگر نظام اتنے غیر معقول ثابت ہوں کہ وہ ان تجاویز کو جو انہی کے مفاد کیلئے  
پیش کی جا رہی ہیں رد کر دیں تو یہ مسئلہ اتنا نازک ہو جائیگا کہ ابھی تک  
اتنا نازک نہیں ہوا ہے۔ سردست میں اپنے آپ پر کسی ایسے طریق عمل کے اظہار  
واعلان کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا جسے حکومت منہا اس صورت میں  
اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرے گی۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ نظام کی  
جانب سے کنٹیننٹ کی نامنظوری کو گورنمنٹ منظور کر لے گی (خواہ وہ ایک  
ایسے رئیس کے طرز عمل کے متعلق کسی ہی رائے رکھتی ہو جس کا رویہ اتنا غیر  
دیانتدار نہ ہوگا) تب بھی اس وقت اور آئندہ بھی کچھ عرصہ کیلئے کنٹیننٹ کو  
رکھنا پڑے گا۔۔۔۔۔ نظام کو ہرگز اجازت نہیں دیا جاسکتی کہ اس فوج کو کلکتہ  
برطرف کر دیں اور اس کے سپاہیوں کو ملک پر بے ہمار چھوڑ دیں۔۔۔۔۔  
پس اگر نظام کنٹیننٹ کے بحال رکھنے کو نامنظور کریں تب بھی اس دوران میں  
کہ اس کو انجام کارنا کرنے کی نیت سے رفتہ رفتہ ٹھٹھا یا جارہا ہو اس کے  
مصارف کا بندوبست ہونا چاہئے۔ اس غرض کیلئے بھی ملک کی تفویض تہی  
ہی ضروری ناگزیر ہے۔ جتنی دوسری صورت میں ہو سکتی ہے نظام کو ملک سے  
پر رہنی ہونا چاہئے۔ اگر وہ انکار کریں گے تو بٹریش گورنمنٹ حق و انصاف  
پر ایسی دست برد کو ہرگز گوارا نہ کرے گی اور بیان کردہ اغراض کے لئے  
ان علاقوں پر عارضی قبضہ زبردستی حاصل کر لے گی۔“

اس خط کے جواب میں جنرل فریزر نے اپنے خیالات بیان کرتے ہوئے

لاڈ ڈھلہوری کو بتایا کہ اس کی تجاویز نظام کے حق میں کیسی ہیں اس نے لکھا کہ :-

”جہاں تک ہمارا تعلق ہے اس مجوزہ انتظام کا درست اور حق بجانب ہونا ناقابل انکار ہے مگر جہاں تک نظام کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس تجویز میں ان کی یقینی بربادی اور ایک خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے ان کے اقتدار کی کامل موت ہے۔ میرا یہ خیال نہیں ہے کہ نظام کو اگر بڑے سے بڑے حالات میں بھی متلا کر دیا جائے تب بھی وہ برٹش گورنمنٹ کے قطع مطالبات یا احکام کی تعمیل میں کوئی فرحت کر سکیں گے مگر میں سمجھتا ہوں ہم کو ان سے اس خاموش مقابلہ کی ضرورت تو قیاساً کرنی چاہئے جو اس شکل میں ہو گا کہ وہ مطلوبہ اصلاح کو ہمیں باقاعدہ تفویض کرنے سے انکار کر دینگے اور اگر ہم ان اصلاح پر قبضہ کر لینا ہی پسند کریں تو وہ ہم کو جو ہمارا جی چاہے کر لینے دیں گے“۔

ایک طرف ”یارو فادار“ کو ”برباد“ کرنے اور اس کے ملک پر ”زبردستی“ قبضہ کرنے کے لئے یہ منصوبے ہو رہے تھے اور دوسری طرف خود ”یارو فادار“ اپنی غرت اور سلطنت کے بچانے کے لئے آخری جدوجہد کر رہا تھا ۱۸۵۲ء کے آخری زمانہ میں حیدرآباد کے بڑے بڑے سازہ کاروں کی ایک انجمن مٹر ڈائمنٹ۔۔۔۔۔ کے زیر صدارت قائم کی گئی تاکہ متحدہ طریقہ سے ایک مرکزی بینک کھولے اور حکومت کی مالی حالت درست کر نیکی کوشش کرے

نواب ناصر الدولہ بہادر نے اس جماعت سے ۴ لاکھ روپیہ قرض لینے کا بندوبست کیا اور کفالت میں نہایت قیمتی جواہر پیش کئے جنہیں مسٹر ڈیوٹن کی حفاظت میں دیدیا گیا۔ اس انتظام کے بعد سراج الملک نے رزٹرنٹ کو مطلع کیا کہ عنقریب کمپنی کا قرض ادا کر دیا جائیگا۔ اور رزٹرنٹ نے اسکی اطلاع لارڈ ڈلہوزی کو دیدی۔ اگر لارڈ ڈلہوزی ایک ایسا مذاکرہ پسند ہے تو اسے اس اطلاع کو اطمینان کی نظر سے دیکھنا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے عکس یہ خبر سننے ہی وہ پریشان ہو گیا اور اس نے فوراً رزٹرنٹ کو لکھا کہ برطانی رعایا کے کسی فرد کی جانب سے کسی دیسی والی ریاست کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز یا گورنمنٹ آف انڈیا کے کسی گورنر یا جلاہ کو کنسل کی اجازت کے بغیر روپیہ قرض دیا جانا پارلیمنٹ ایکٹ ( ۳۷ ) ( George III ch 142 Sec. 28 ) کے خلاف ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ڈلہوزی نے رزٹرنٹ کو حکم دیا کہ بلا تاخیر اس کو اطلاع دے کہ یہ بینک کن لوگوں نے کھولا ہے اور کون اس کو چلا رہا ہے ؟ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی یورپین ہو تو حیدرآباد کی حکومت کو معاہدہ ۱۷۹۲ء کی دفعہ ۶ کے ماتحت اس سے کوئی کام لینے یا اس کو اپنے حدود مملکت میں رہنے کی اجازت دینے سے روک دیا جائے لے

اس حرکت کے معنی بیان کرنا اسکی وضاحت کی توہین کرنا ہے اس میں انگریزی قوم کے سیاسی اخلاق کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ آئی روشن

ہو کہ شرح و بیان کی محتاج نہیں۔ لارڈ ڈلہوزی برار لینے کا غم کچھ تھا جس  
 وصول ہونے یا نہ ہونے کنٹریٹ کے قائم رہنے یا نہ رہنے کی اس کو پرواہ نہ تھی  
 اسے بہ حال برار لینا تھا اس لئے جو کوئی اس کی اس خواہش میں مراعہ ہوتا ہے  
 قدرتی طور پر ایسا ہی مجرم ہونا چاہئے تھا کہ حیدرآباد میں کاروبار کرنا کیا معنی  
 نظام کے مالک محروسہ میں بھی اس کے خطرناک وجود کو نہ رہنے دیا جاتا۔ چنانچہ  
 مسٹر ڈائٹن کو بہت جلدی حیدرآباد سے نکال دیا گیا۔ اور چونکہ وہ بھی لارڈ ڈلہوزی  
 کے ہم قوم تھے اس لئے ان کا بھی کم از کم اتنا فرض ضرور تھا کہ چلتے چلتے وہ  
 جواہرات بھی لے جاتے جو مجوزہ قرض کی کفالت میں حضور نظام نے دیئے تھے  
 ان جواہرات کو بعد میں سر سالار جنگ مرحوم نے بڑی کوشش سے حاصل کیا  
 جبکہ قریب تھا کہ وہ ہالینڈ میں بیچ دیئے جاتے۔

اس طرح جب روپیہ حاصل کرنے کی تمام تدبیروں میں ناکامی ہوئی اور  
 شاہی خزانہ کے کمیشن قیمت جواہر کا ایک بڑا حصہ قبضہ سے نکل گیا۔ تو نظام  
 بالکل بے بس ہو گئے۔ ان کی سلطنت کی مالی حالت اس وقت حد سے زیادہ خراب  
 ہو رہی تھی۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ وسائل ثروت تقریباً سبکے سب۔ سال  
 کی مسلسل بد نظمی اور فضول خرچی کی نذر ہو چکے تھے آمد و خرچ کے عدم توازن کا  
 یہ حال تھا کہ ۲۴ لاکھ روپیہ کا سالانہ بیہم گھاٹا آ رہا تھا۔ صرف فوج کا خرچ  
 ایک کروڑ سالانہ سے زائد تھا حالانکہ ریاست کی کل آمدنی نظم و نسق کے مضار کو  
 وضع کر کے صرف ایک کروڑ ۲۲ لاکھ تھی ایسی حالت میں ریاست کے خزانہ سے ۵۰ لاکھ

ادا کرنا اور پھر ۲۲ لاکھ روپیہ سالانہ بھی ادا کرتے رہنا ناممکن تھا اب دوسری صورت صرف یہ رہ گئی تھی کہ اس خاندانی دولت کو نکالا جاتا جو نظام کے بزرگوں نے ڈیڑھ صدی کے اندر جمع کی تھی سو انگریز دستوں کی بدولت اس خاندانی دولت کا بھی ایک معتمدہ حصہ ہاتھ سے نکل گیا اور اس کا مدہ اٹھانے کے مواقع بھی چھین گئے۔ یہی بے بسی کی حالت تھی جس میں نظام کو تفویض برار کے اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا جو کرنل ڈیوڈسن اسٹنٹ ریڈینٹ کے الفاظ میں دھمکیوں اور بھیسکیوں کا نتیجہ تھا۔

## قرض کی اصلیت

تفویض برار کا معاہدہ جس طرح ہوا اس کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ قرض جس کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اسکی اصلیت کیا تھی، اور قانوناً، عرفاً، اخلاقاً وہ کہاں تک نظام کے ذمہ واجبات ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے ذیل کے امور خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(۱) کینیڈنٹ قائم کرنے کے لئے نظام کی باضابطہ منظوری حاصل نہیں کی گئی تھی اور محض پیشکار سے معاملہ ملے کر کے اس کو نظام کے سر چیکا دیا گیا تھا۔ یہ فعل نہ صرف قانوناً ناجائز تھا بلکہ شلہ کے معاہدہ کی دفعہ ۵ کے بھی خلاف تھا جس میں لیٹ انڈیا کمپنی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ نہر ہائی لنس کی اولاد عزیز واقارب رعایا اور ملازموں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گی، اس معاہدہ کی رو سے

کمپنی کی حکومت کو کوئی حق نہ تھا کہ نظام کی اجازت کے بغیر بالابالا پیشکار سے ایک ایسا معاملہ طے کر لیتی جس سے سلطنت کے خزانہ پر ۴۲ لاکھ روپیہ سالانہ کا ناقابل برداشت بار پڑتا تھا۔

(۲) کنٹیننٹ باوجودیکہ نظام کے خرچ پر رکھی گئی تھی مگر اس کے انتظام میں نظام کو کوئی دخل دینے کی اجازت نہ تھی خود کمپنی کے ذمہ دار افسروں نے حتیٰ کہ خود گورنر جنرل نے تسلیم کیا کہ کنٹیننٹ کے مصارف حد سے زیادہ ہیں لیکن جب تک اس کا خرچ نظام کے خزانہ سے وصول ہوتا رہا اس وقت تک اس میں ایک پیسہ کی کمی نہیں کی گئی۔ اگر کمپنی تفویض برار کے معاہدہ سے صرف ۴ سال پہلے ہی کنٹیننٹ کے مصارف میں اتنی تخفیف کر دیتی جتنی کہ معاہدہ کے بعد چار سال کے اندر اس نے کی تو ۱۸۵۳ء میں نظام کے ذمہ کمپنی کا ایک پیسہ قرض نہ ہوتا بلکہ نظام کے خزانہ میں الٹے دس لاکھ روپیہ بچ رہتے۔

(۳) ۱۸۵۱ء کے معاہدہ کی دفعہ ۱۲ کی رو سے نظام نے صرف یہ عہد کیا تھا کہ کسی تیسری طاقت سے جنگ چھڑنے کی صورت میں ۱۵۰ ہزار سپاہیوں سے انگریزی حکومت کی مدد کرے گی۔ اس کا یہ ہرگز منشا نہ تھا کہ وہ اپنے خرچ سے انگریزوں کی مدد کے لئے خود انگریزوں کی فوجوں کی ۹ ہزار فوج ہمیشہ رکھیں گے خواہ جنگ ہو یا نہ ہو۔ خود لارڈ ڈلہوزی کے اقرار کے مطابق ۳۵ سال تک انگریزی حکومت کو ایسی کوئی جنگی ضرورت پیش نہیں آئی جس کیلئے نظام سے مدد طلب کی جاتی۔ پس اس لحاظ سے نظام کو خواہ مخواہ ۳۵ سال تک ۴۲ لاکھ روپیہ سالانہ

(یعنی کل ۴ کروڑ ۶ لاکھ) ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ حالانکہ معاہدہ کی رو سے ان پر یہ روپیہ دینے کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔

(۴) ۱۹۵۷ء کے معاہدہ کی رو سے نظام نے ۶۲ لاکھ روپیہ سالانہ کی آبدی کا ملک (جمیسور کی دولتداریوں میں ان کے ہاتھ آیا تھا) کمپنی کو اس غرض سے دیا تھا کہ وہ ان کی امداد کے لئے فوج رکھے۔ جس کا خرچ اس وقت ۲۴ لاکھ سالانہ تھا، اس امدادی فوج کا از روئے معاہدہ پندرہ فیصد قرار دیا گیا تھا کہ

” اگر مستقبل میں شورا پور یا گدوال کے زمیندار یا برہائی نس کی حکومت

کے دوسرے وابستگان توابع Subjects or Dependants

سہرا کے جائز مطالبات کو جو ان پر ہوں ادا نہ کریں یا بغاوت کی آگ بھڑکائیں یا شور و شہ پھیلائیں تو جمعیت نعلبندی (Subsidiary Force) یا اس کا اٹنا حصہ جو ضروری ہو

جرم کی حقیقت پوری طرح تحقیق کرنے کے بعد برہائی نس کی اپنی افواج کی معیت میں ایسے تمام مجرموں کو اطاعت پر مجبور کرنے کیلئے جانے پر تیار ہوگی۔

اس دفعہ کی رو سے سہرا کا نظام اس امر کا پورا حق رکھتی تھی کہ اسکی رعایا میں سے جب کبھی کوئی کشتی کرے تو وہ جمعیت نعلبندی کی خدمات کمپنی سے حاصل کرے۔ لیکن کمپنی چونکہ اس فوج کا خرچ مع شے زائد نظام سے وصول کر چکی تھی اس لئے اس نے شور و شہ اور سہرا کے لوگوں کو فرو کرنے کے لئے اسکی

۹۰  
 خدمات دینے سے ہمیشہ انکار کیا اور ان ہی فرائض کو جو جمعیت نعلبندی پر از روئے معاہدہ عاید ہوتے تھے کنٹیننٹ پر ڈال دیا کیوں کہ اس کے مصارف کا بار خود نظام کے خزانہ پر پڑتا تھا۔ ۳۵ سال کی مدت میں حیدرآباد کنٹیننٹ نے نظام سرکار کی جتنی خدمات انجام دیں وہ سب کی سب سترہ لاکھ کے معاہدہ کی رو سے خود کمپنی کی جمعیت نعلبندی کو انجام دینی چاہئے تھیں اس لئے حکومت نظام سے ان کا معاوضہ وصول کرنا جبکہ معاوضہ پہلے ہی ۶۳ لاکھ کے ملک کی صورت میں دیا جا چکا تھا سراسر ناجائز تھا۔

(۵) جمعیت نعلبندی کے فرائض منصبی انجام دینے کے لئے خود نظام کے خرچ پر کنٹیننٹ رکھ کر انگریزی حکومت نے یہ فائدہ اٹھایا کہ جمعیت نعلبندی کے مصارف میں بہت کمی ہو گئی صرف یہی نہیں کہ فوجی خدمات ادا کرنے میں جو خرچ ہوتا وہ بیچ رہا، بلکہ حکومت نے فوج کی تعداد کو بھی اس سے کم کر دیا جتنی از روئے معاہدہ اس کو رکھنی چاہئے تھی۔ خود کورٹ آف ڈائریکٹرز میں میجر مور نے جو بیان ۱۷ نومبر ۱۸۵۳ء کو دیا تھا۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ۔

”ہم نے اپنی امدادی فوج کی رجمنٹوں کی عددی قوت کو پیدل فوج میں ایک ہزار نیندوق برداروں سے گٹھا کر ۵۰۰ کر دیا اور سوار فوج میں ۵۰۰ شمشیرزوں سے کم کر کے ۲۲۰ کر دیا ہے۔ اور اس طرح گذشتہ

۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی رو سے طے ہوا تھا کہ ۸ ہزار سپاہیوں کی آٹھ پٹیس اور ایک ہزار

۳۰ سال سے حیدرآباد کے علاقہ میں ہم نے جو فوج رکھی ہے وہ اس  
 تعداد سے بقدر زائد از یک ربع کم ہے جس کے رکھنے کا ہم نے عہد کیا تھا  
 اور جس کا خرچ بھی ہم بیگنی وصول کر چکے تھے۔ ہم نے اپنے عہد و پیمان میں  
 یہ کوتاہی کس بنا پر کی؟ ہم کو اس فوج کا خرچ وصول کرنے کا کیا حق تھا  
 جو دراصل ہم نے نہیں رکھی؟ اگر اوپر کے واقعات درست ہیں تو آیا ہم  
 اس پر مجبور ہیں یا نہیں کہ ہم نے جو کچھ نظام سے وصول کیا ہے اور جس کا  
 بدل ان کو نہیں دیا ہے اس کا حساب نظام کو دیں گے۔

پس انصاف یہ چاہتا ہے کہ ۳۰ سال تک ۲۱۶ سپاہیوں کی کمی سے  
 انگریزی حکومت جو روپیہ بچاتی رہی وہ نظام کو واپس دیتی۔ کم از کم اندازہ  
 کے مطابق یہ رقم دو کروڑ روپیہ سے کم نہ تھی اور اس حساب سے ۱۸۵۳ء میں  
 بجائے اس کے کہ کمپنی حضور نظام سے ۴۳ لاکھ روپیہ کے قرض کا مطالبہ کرتی۔  
 حضور نظام کو اس قرض کی رقم وضع کر کے کمپنی سے ۵۷ لاکھ کا مطالبہ کرنا  
 چاہئے تھا۔

(۶) ۱۸۱۲ء سے ۱۸۵۳ء تک کمپنی ناجائز طور پر جالندہ اور سکندرآباد میں  
 حضور نظام کی رعایا سے آبکاری کے محاصل وصول کرتی رہی ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۴ء

میمو آرز صفحہ ۳۱

(بقیہ صفحہ ۹) سوارونکی دو رجمنٹیں رکھی جائیں گی ریگرمیچر مور کے بدلے ہونے کے مطابق  
 کمپنی نے سپاہیوں کی تعداد ۸ ہزار سے گٹھا کر ۶ ہزار کر دی اور سواروں کی تعداد کئی  
 سے گٹھا کر ۸۴۔ (دیکھو ایچ سن جلد ۹ صفحہ ۶۸، ۶۹، ۷۰)

میں سرکار نظام نے اس پر اعتراض کیا اور اپریل ۱۹۵۲ء میں خود توانیابھرا لڑو بہادر نے اس مد کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس کی آمدنی ایک لاکھ روپیہ سالانہ تھی اور ۴ سال سے وصول کی جا رہی تھی۔ اگر اس کا سود نہ لگایا جاتا، تب بھی ۱۹۵۳ء میں کمپنی کے ذمہ سرکار نظام کا ۴ لاکھ روپیہ واجب الادا تھا۔

بہی امور میں جن کی بنیاد پر انگریزی رزٹرنٹ کرنل ڈیوڈسن نے اپنے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء کے مراسلہ میں صاف لکھ دیا تھا کہ

”میری ہمیشہ یہ رائے رہی ہے کہ اگر دونوں حکومتوں کے مالی مطالبات کی خیر جانبداری کے ساتھ جانچ پڑتال کی جائے تو ہم ۴۳ لاکھ روپیہ (کلدا) کے موجودہ قرض کا کوئی جائز دعویٰ نظام پر نہیں کر سکتے جس وقت ہربائی نس کے مدارالمہام پر کنٹینٹ کے بقایا کا تعاضا کیا گیا تھا اس نے ۹ اگست ۱۹۵۶ء کو اپنے ایک نوٹ میں سکند آباد اور جالندہ کی آبپاشی

کے محال میں سے فاضل باقیات کا مطالبہ کیا تھا۔ ہم اس آمدنی کو جو ایک لاکھ سالانہ تک پہنچتی ہے، ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۶ء تک یعنی ۴ سال تک اپنے حساب میں وصول کرتے رہے حالانکہ یہ رقم بغیر کسی سود کے ہمارے مطلوبہ قرضہ میں سے ۴ لاکھ روپیہ نظام کے حساب میں جمع کر دیتی ..... مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں نے اوپر بیان کیا ہے

اس سے یہ بات ظاہر ہو جانی چاہئے کہ ۱۹۵۳ء میں ہم نظام پر کوئی جائز مالی مطالبہ نہیں رکھتے تھے یا اگر رکھتے بھی

یہ ہے اس قرض کی حقیقت جس کے لئے نظام پر اس قدر سخت تقاضے کئے جا رہے تھے جس کے لئے نظام کی ”دیانتداری“ معروض بحث میں لائی جا رہی تھی اور جس کے لئے لارڈ ڈلہوزی انگریزی حکومت کے حقوق ”اور مفاد“ کی حفاظت کرنے پر اس قدر مستعدی کے ساتھ آمادگی ظاہر کر رہا تھا۔ بننے مہاجن تو اپنے قرضداروں پر صرف اتنا ہی ظلم کرتے ہیں کہ اپنی بھی میں دوسرے لوگوں کا فرضی حساب بناتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کے بس میں کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اپنا مطالبہ پورا کرانے کے لئے انہیں پہلے عدالت میں جانا پڑتا ہے۔ پھر اسے قانوناً جائز ثابت کر کے ڈگری حاصل کرنی پڑتی ہے۔ پھر قرق این کی خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے نظام کو جس قرض خواہ سے واسطہ پڑا تھا وہ بیک وقت مہاجن بھی تھا منصف بھی تھا اور قرق این بھی اس نے پہلے خود ہی حساب بنایا، پھر اپنے ہی حق میں ڈگری بھی دے لی۔ اور اس کے بعد خود ہی قرقی کا وارنٹ بھی لے آیا، ایسے دائن کے مقابلہ میں بیچارے مدیون کے لئے اپنی بائدا و ضبط کرا دینے کے سوا اور کیا چارہ کار باقی رہ سکتا ہے۔

## تفویض برار

آئیے اب ہم دیکھیں کہ یہ صیغی جائیداد کی کارروائی کس طرح عمل میں آئی

۹۲  
 مارچ ۱۹۵۳ء میں کرنل لوزیڈنٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا۔ ۲۰ اپریل کو  
 اسے نظام کے ساتھ ایک جدید معاہدہ کی گفت و شنید کے لئے خاص ہدایات  
 وصول ہوئیں اور اس کے ساتھ مجوزہ معاہدہ کا مسودہ بھی پہنچا۔ جس میں کنٹریبنٹ  
 کی تنخواہوں کے لئے ۳۶ لاکھ روپیے سالانہ کا ملک دو اٹا برٹش گورنمنٹ  
 کو تفویض کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔ کرنل لوزیڈنٹ نے یہ مسودہ سراج الملک کو دکھایا  
 تو انہوں نے اپنے آقا کے حق نمک کو فراموش کر کے اور خود اپنے وطن کی  
 عزت کو بھلا کر جواب دیا کہ ”ریاست کے معاملات اس وقت اتنے بگڑے  
 ہوئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو اپنے تئیں خوش قسمت سمجھنا چاہئے کہ انہیں ایسا  
 معاہدہ کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ایک بچہ بھی اگر وہ تعصب اور غلط صلاح  
 کاروں کے اثر سے پاک ہو تو وہ دیکھ لے گا کہ مجوزہ معاہدہ کو قبول کرنے  
 میں نظام اور ان کی حکومت کے لئے بڑی اور واضح منفعت ہے“ اس کے  
 بعد جب یہی مسودہ نواب ناصر الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے سنتے ہی  
 انہوں نے فرمایا کہ ”خدا نہ کرے مجھے یہ ذلت سہنی پڑے“۔ اس کے بعد  
 اعلیٰ حضرت متعزت منزل نے ایک تقریر کی جس کے بعض بعض حصے کرنل لوزیڈنٹ  
 نے اپنے ۲۴ مئی ۱۹۵۳ء کے مراسلہ میں نقل کئے ہیں اس کے مطالعہ سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں ان کے جذبات کیا تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ  
 ”ہاں پہلے بھی تم مجھ سے کہہ چکے ہو کہ تم ایک نیا عہد نامہ تجویز کرنے  
 والے ہو۔ مگر تم نے کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میرے سامنے اس قسم کا

لے دیکھو کرنل لوزیڈنٹ مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء بمبئی

معادہ پیش کرنا چاہتے ہو۔ کیا میں نے کبھی انگریزی حکومت سے جنگ کی ہے؟  
یا اس کے خلاف سازش کی ہے؟ یا اس کا ساتھ دیتے رہنے اور  
اس کی خواہشات کی پیروی کرتے رہنے کے سوا کچھ اور کیا ہے؟  
آج میری یہ تذلیل کی جا رہی ہے؟

کرنل لونے جواب دیا کہ اس معادہ میں آپ کی تذلیل کرنے والی  
کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر مغفرت منزل نے فرمایا۔

”ایک بادشاہ کے لئے دو فعل ہمیشہ ذلت آمیز سمجھے جاتے ہیں ایک  
اپنے آبائی ملک کا کوئی حصہ چھوڑ دینا اور دوسرے اپنی بہادر  
اور کار آزمودہ فوج کو برطرف کر دینا۔ تم جیسے اصحاب کہ  
کبھی فرنگستان میں ہوتے ہو تو کبھی ہندوستان میں، کبھی اسو سلطنت  
میں حصہ لیتے ہو تو کبھی سپاہی بن جاتے ہو، کبھی ملاح کا پیشہ اختیار  
کرتے ہو تو کبھی بازار گانی کا (میں نے سنا ہے کہ تمہارے گروہ میں  
بعض بڑے آدمی سوداگر بھی رہے ہیں)۔ تم اس معاملہ میں میرے  
احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں ایک خاندانی رئیس ہوں اسی  
سلطنت میں جو سات پشت سے میرے خاندان میں چلی آرہی ہے  
جینے اور مرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں اپنی اس  
سلطنت کا ایک حصہ دانا تمہاری حکومت میں دے کر خوش

رہ سکتا ہوں؟ اس پر خوش ہونا بالکل ناممکن ہے۔ مجھے اس کو اپنی ذلت سمجھنا چاہئے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے گروہ کے کوئی صاحب یہ خیال رکھتے ہیں کہ اگر مجھے بھی خوش خاں (نواب ارکاٹ) کی حالت میں رکھا جائے تو میں خوش اور مطمئن رہوں گا یعنی مجھے کسی پرانے ملازم کی طرح ایک وظیفہ دے دیا جائے اور میں کھانے، سونے اور نماز پڑھنے کے سوا کسی کام سے واسطہ نہ رکھوں۔ مگر (یہاں اعلیٰحضرت نے ایک عربی کا مقولہ نقل کیا جسے کرنل لو نہیں سمجھ سکتا)۔۔۔۔۔ خیر تم میرے شاہانہ احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔ تم کہتے ہو کہ یہ معاہدہ کرنے سے مجھے ۸ لاکھ روپیہ کی بچت ہو جائے گی اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر ۸ لاکھ سے چہار چنڈ بھی بچت ہو تب بھی میں مطمئن نہ ہوں گا کیوں کہ میں اپنا ملک چھوڑ کر اپنی عزت کھود دیتا ہوں۔

اس کے بعد نواب مرحوم نے ریڈینٹ کو رام کرنے کی کوشش کی اور اس سے کہا کہ اگر محض کنٹریٹ اور پچھلے قرض کی خاطر یہ ملک مانگا جا رہا ہے تو میں چار مہینے کے اندر اندر قرض ادا کر دوں گا اور آئندہ کے لئے ماہ ب ماہ تنخواہیں ادا کرنے کا انتظام ہو جائے گا۔ مگر وہاں ملک لینے کا

فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے رزیدنٹ نے اس وعدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے کہا کہ۔  
 ” فرض کرو اگر میں یہ کہوں کہ کنٹینٹ ہی کو نہیں چاہتا تب تم کیا کرو گے۔“

کرنل لونے جواب دیا کہ ایسی صورت میں ہم کنٹینٹ کی برطرفی کو قبول کر لیں گے مگر اسے بیکھت برطرف نہیں کیا جائے گا بلکہ رفتہ رفتہ کیسا جائے گا۔ جس میں کئی سال لگیں گے۔ اور اتنی مدت کے لئے پھر بھی ہم کو ان کی تنخواہوں کے لئے ان اضلاع کی ضرورت پڑے گی جو ہم مانگ رہے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ خواہ کنٹینٹ رہے یا نہ رہے دونوں حالتوں میں ملک نہ چھوڑا جائے گا۔ پھر اعلیٰ حضرت نے یہ تجویز پیش کی کہ ملک برائٹس لامراء امیر کبیر کے سپرد کیا جائے اور وہ قرض اور کنٹینٹ کی تنخواہیں ادا کرنے کا انتظام کریں مگر رزیدنٹ نے اس کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ برار کا علاقہ رزیدنٹ اور برار لامراء دونوں کے انتظام میں دیا جائے یہ دو عملی کی صورت ناقابل قبول تھی۔ اس کے بعد رزیدنٹ نے ۱۲ مئی کو گفت و شنید کا سلسلہ بند کر دیا اور اور مطالبہ کیا کہ ”ہاں“ یا ”نہیں“ کا آخری جواب دیدیا جائے۔ پھر

۱۹ مئی کو کرنل ڈیوڈسن (اسسٹنٹ ریڈینٹ) نے سراج الملک کے نام ایک خط بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے۔

میرے عزیز نواب۔ مجھے یقین ہے کہ ریڈینٹ آج شام کو آپ سے ملاقات کرنے کی خواہش کریں گے۔ تاکہ آپ کو اطلاع دیں کہ نظام سے ان کی گفت و شنید اب ختم ہوتی ہے اور آج کی ڈاک سے وہ گورنر جنرل سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ فوج کو حرکتیں نہ ہائی نس نے چار مہینے کی مہلت مانگی تھی۔ مگر اس مدت میں بھی یقینی طور پر فوجوں کی تنخواہیں ادا کرنے کی شرط نہیں کی تھی۔ اس لئے اسے نامنظور کیا گیا۔ تاہم اگر وہ ایسا کرتے تب بھی اسے نامنظور کیا جاتا۔ کیوں کہ یہ گورنر جنرل کی ہدایات کے خلاف تھا۔

”نہ ہائی نس نے پھر یہ تجویز پیش کی کہ ۴۰ لاکھ کا ملک کنٹیننٹ کی تنخواہوں کے لئے شمس الامرا کے ہاتھ میں دیدیں۔ اس پر ریڈینٹ نے کہا کہ ”ہنیں“ کیوں کہ ان کو اس امر کا یقین نہیں دلایا جاسکتا کہ نہ ہائی نس کی حکومت یا ان کے افسروں کی طرف سے اس میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر یہ قلعے ریڈینٹ اور شمس الامرا یا حیدرآباد کی حکومت کے کسی دوسرے افسر کو کھتر بنا کر سپرد کر بھی دیئے جاتے (اس طرح کہ انہی کو ان اضلاع کا پورا انتظام اور اختیار دیدیا جاتا اور وہ صرف نہ ہائی نس کو

سالانہ حساب دینے کے ذمہ دار ہوتے) تب بھی زریڈنٹ صرف  
یہ کر سکتے تھے کہ ان سجاویر کو کلکتہ بھیج دیتے۔ باقی اسکی ذرہ برابر  
امید نہیں تھی کہ گورنر جنرل اس کو منظور کر لیں گے

”ہنر ہائی سنس نے مذکورہ بالا سجاویر (یعنی شمس الہرا اور زریڈنٹ  
کی دو عملی) کو بھی قبول نہیں کیا ہے اس لئے انہوں نے اس خیریتے  
نجات حاصل کرنے کا آخری موقع بھی کھو دیا جو ان کے احساس  
وقار و تمکنت کے منافی تھی اب وہی سجاویر جو پہلے پیش کی گئی  
تھیں پھر پیش کی جاتی ہیں اور ایسے غیر دوستانہ جذبات  
کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ جو میری رائے میں معاملات کو انتہائی  
حد و تک پہنچا دیں گے۔ فی الحقیقت میرے پاس پوناسے میرے  
بھتیجے کا خط آیا ہے جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ ۷۸ ہائی لینڈرز  
اور ہرجبھی کی رٹینٹ نمبر ۸۶ کو حیدرآباد پر چڑھائی کے لئے  
تیار رہنے کے احکام پہنچ گئے ہیں۔ یہ مت فرض کر لیجئے کہ فوجی  
کارروائی صرف اضلاع (برار) تک محدود رہے گی۔ اگر آپ  
ہنر ہائی سنس کے دوست ہیں تو ان سے التجا کیجئے کہ اپنی ذات  
اور اپنی عزت کو بچانے کے لئے گورنر جنرل یقیناً ان کو مجبور  
کر دیں گے۔“

کو تھ، ڈیوڈسن

یہ فوجی حملہ کی دھمکی کسی دشمن کو نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ ایک دوست کو دی گئی تھی۔ اور دوست بھی وہ وفادار دوست جس نے ابتدائے قیام سلطنت برطانیہ سے آج تک کبھی اس سلطنت کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔ جو ۱۵۹۷ء سے لیکر آج تک ہر موقع پر اس سلطنت کا ساتھ دیتا رہا اور جس نے ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے خلاف اس سلطنت کی مدد کر کے اس کی بنیادیں ہندوستان میں مضبوط کیں مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا تھا جبکہ نظام الملک کی نگاہ لطف کے بغیر مدراس میں فرانسیسیوں سے جان بچانی مشکل تھی، نہ وہ زمانہ رہا تھا جبکہ حید علی اور ٹیپو سلطان کی تلوار سے بچنے کے لئے آصف جاہ کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت تھی اور نہ وہ زمانہ باقی رہا تھا جبکہ مرہٹوں کی خطرناک طاقت کو مٹانے کے لئے یار وفادار کی مدد درکار تھی، اب وہ تمام نازک زمانے گزر چکے تھے اور انگریزی سلطنت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ دوستوں کی دوستی اس کے لئے کچھ زیادہ قیمتی نہ رہی تھی اس لئے پرانا آئین وفاداری بدل گیا۔ مہر و محبت کی رسم کہن ختم ہو گئی اور دشمن کو دشمنی کی پاداش میں نہیں بلکہ دوست کو دوستی کے جرم میں وہ بدلہ دیا گیا جو شرفا دشمنوں کو بھی کم دیتے ہیں۔

نواب ناصر الدولہ حیدرآباد پر فوج کی چڑھائی کے معنی سمجھتے تھے  
مقاومت بے سود تھی، عربوں، روہیلوں اور دوسری جنگجو قوموں کی  
بے قاعدہ فوج اگر لڑتی بھی تو کمپنی کی باقاعدہ فوج کے سامنے چند

گھنٹوں سے زیادہ نہ ٹھیر سکتی تھی۔ اس کے بعد پوری ریاست پر قبضہ کیا جاتا اور نظام الملک آصفیہ کے خاندان کے ساتھ بھی حاکم بدہن وہی سلوک کیا جاتا جو اورنگ زیب عالمگیر کے خاندان کے ساتھ دہلی میں کیا گیا۔ لہذا کرنل ڈیوڈسن کے خط کا جواب وہی ہو سکتا تھا جو دیا گیا یعنی دوسرے ہی سرج الملک نے رزیڈنٹ کو اطلاع دی کہ اعلیٰ حضرت معاہدہ کو منظور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ۲۰ مئی ۱۷۳۳ء کو کرنل نوخوش خوش دربار میں حاضر ہوئے اور تفویض برار کے معاہدہ پر دستخط لیکر واپس گئے۔ اس معاہدہ کے اہم نکات محتاج تشریح ہیں۔

(۱) واقعات سے ظاہر ہے کہ نظام اس دستاویز پر دستخط کرنے کیلئے بالکل راضی نہ تھے، انہوں نے آخر وقت تک اسے قبول کرنے سے انکار کیا اور صرف اس وقت اس کی توثیق کی جب انہیں یقین دلایا گیا کہ مزید انکار کی پاداش میں ان کی سلطنت اور ان کی جان تک کی خیر نہیں ہے۔ خود کرنل ڈیوڈسن جو اس وقت اسٹنٹ رزیڈنٹ تھا اور بعد میں رزیڈنٹ کے عہدہ پر ممتاز ہوا اپنے ۱۲ مارچ ۱۷۳۲ء کے مراسلہ میں اعتراف کرتا ہے کہ ”میں ان دھکیوں اور بھیکوں کا معنی شاید ہوں جو سابق نظام کو گورنمنٹ کی تجاویز قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے دی گئی تھیں“۔ اس تحریف مجرمانہ کے ساتھ جو معاہدہ عمل میں آیا

اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی معاہدہ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک کھلا ہوا  
استحصا ل یا لجر تھا اور ساری کارروائی از اول تا آخر ناجائز تھی۔

(۲) امدادی فوج (Subsidiary Force) کے متعلق ۱۹۶۸ء

کے معاہدہ میں طے ہوا تھا کہ وہ ہربائی نس ان کے ورثاء اور ان کے  
جانشینوں کی ذات کی مثلًا بعد نسل حفاظت کرے گی، اور تمام باغیوں  
اور ان لوگوں کو جو اس ریاست کے ممالک محروسہ میں شورش پھیلائیں  
ہنگو نسا کرے گی۔ مگر ذرا اسی باتوں کے لئے ان کو استعمال نہیں کیا  
جائے گا۔ اور نہ سبڈی کے طور پر اس کو مالگذاری وصول کرنے کے لئے  
اقطع ممالک میں متعین کیا جائے گا۔ (دفعہ ۵)

سنہ ۱۹۶۷ء کے معاہدہ میں نواب آصفیاء نے ۶۳ لاکھ کالکٹ کر نڈو

بالا معاہدہ کی اس شرط کو منسوخ کر دیا ”ذرا ذرا اسی باتوں کے لئے اسے  
استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے بجائے دفعہ ۷ میں یہ طے کیا کہ جب  
کبھی نظام کی رعایا میں سے کوئی شخص سرکار نظام کے جائز مطالبات کو  
ادا کرنے سے انکار کرے گا، یا شورش و بدمنی پھیلائے گا تو اس کے  
خلاف امدادی فوج کو استعمال کیا جاسکے گا۔ لیکن ۱۹۵۳ء کے اس معاہدہ  
کی دفعہ ۲ میں امدادی فوج کے استعمال پر پھر وہی قید لگا دی گئی جو ۱۹۶۸ء  
کے معاہدہ کی دفعہ ۵ میں ۶۳ لاکھ کالکٹ لینے سے پہلے لگائی گئی تھی اور  
دفعہ ۳ کی رو سے کنینٹ کے فرائض میں اس خدمت کو داخل کر دیا گیا جو  
سنہ ۱۹۶۷ء کے معاہدہ کی رو سے امدادی فوج کے فرائض میں شامل تھی۔

یہ ایک کھلی ہوئی فریب کاری تھی۔

(۳۱) کنٹینٹ کا خرچ جب تک نظام کے خزانہ سے وصول کیا جاتا رہا اس کی مددی قوت میں ایک آدمی کی کمی بھی گوارا نہ کی گئی۔ مگر جب اس کے مصارف کے لئے ملک مل گیا تو معاہدہ ہی میں یہ بات طے کر لی گئی کہ کنٹینٹ کی تعداد ۹ ہزار کے بجائے ۶ ہزار رہے گی۔

(۳۲) ستمبر کے معاہدہ کی رو سے نظام کے ملک میں ان کی مدد کرنے کے لئے امدادی فوج ۹ ہزار کی تعداد میں رہنی چاہئے تھی لیکن ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ۲ میں طے کیا گیا کہ اس فوج کی صرف ۳ پلٹنیں اور ایک رسالہ حدود ریاست میں رکھا جائے گا حالانکہ آٹھ پلٹنیں اور برسائے رکھنے کیلئے ستمبر میں ۶۳ لاکھ کا ملک لیا گیا تھا۔

(۳۳) کنٹینٹ کی تنخواہیں ادا کرنے اور ۵ لاکھ روپیہ (حالی) کا سود ۶ فیصدی کے حساب سے وصول کرنے کے لئے اس معاہدہ کی رو سے انگریزی حکومت نے صوبہ پر اردو آہرا پور اور شولا پور و احمد نگر کی جانب چند سرحدی اضلاع اپنے قبضہ میں لے لئے جن کی مجموعی آمدنی اس وقت ۵ لاکھ سالانہ تھی۔ پہلے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ دوامی انتقال ملکیت کو نظام منظور کریں لیکن اسے نظام نے سختی کے ساتھ رد کر دیا۔ پھر دوسرا مطالبہ یہ کیا گیا کہ تفویض دوامی ہو مگر نظام کے شہی حقوق اضلاع مفوضہ برسر قرار رہیں گے۔ نظام نے اس کو بھی نامنظور کیا اس کے بعد

یہ چال چلی گئی کہ معاہدہ کے الفاظ کو مبہم رکھا گیا۔ نظام کو رزیڈنٹ کے ذریعہ یقین دلایا گیا کہ تفویض محض عارضی ہے اور وہ جب چاہیں ”فک الرہن“ کرا سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ کو مطمئن کر دیا گیا کہ تفویض دوامی ہے اور ہر بار اب ہمیشہ کے لئے ہمارے قبضہ میں آ گیا ہے۔ معاہدہ کی دفعہ ۶ میں صرف یہ الفاظ لکھے گئے تھے۔

The Nizam Hereby agrees to assign the districts mentioned

(نظام اس تحسیر کی رو سے مبینہ اضلاع کو تفویض کرنا قبول کرتے ہیں)

لیکن کرنل لونے حضور نظام کو مطمئن کرنے کے لئے سرکاری طور پر (Formally) انہیں یقین دلایا تھا جیسا کہ

وہ خود اپنے ۴ مئی ۱۸۵۳ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ ”اگر نرائٹی نس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع صرف اس وقت تک کینیڈنٹ کے مصارف کے خاطر سپرد کئے جاسکتے ہیں جب تک ان کو کینیڈنٹ کی ضرورت رہے“

۱۰۵ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جب نظام کو کنٹینٹ کی ضرورت نہ رہے تو وہ اسے متوقف کر کے اپنے اضلاع واپس لے سکتے ہیں۔ مگر یہی کنٹرول ہونے کا ذکر وہ بالا اعلان کے صرف ڈیڑھ مہینہ بعد ۱۹ جون ۱۸۵۲ء کو گورنمنٹ آف انڈیا سے کہتا ہے کہ :-

”جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اضلاع منتقل طور پر ہمارے ہاتھ میں رہنے کے لئے ہیں“ سلہ

خود لارڈ ڈلہوزی نے اپنی ۳۰ مئی ۱۸۵۳ء کی یادداشت میں لکھا ہے کہ :-

”نظام نے اہل سے آخر تک یسا رویہ ظاہر کیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ملک کی دوامی تفویض سے قطعی اور شدیداً سخا کرنے کا نیت نہ کر چکے ہیں یہاں تک کہ اضلاع کو اس ضرورت سے ہمارے سپرد کر نیسے بھی انہوں نے کلیتہً نارضا مندی کا اظہار کیا کہ شاہی حقوق نہیں کو حاصل ہیں“

لیکن یہی لارڈ ڈلہوزی فروری ۱۸۵۶ء میں کہتا ہے کہ

”ایک معاہدہ کی رو سے جو ۱۸۵۳ء میں کہا گیا، نہ رانی انس نظام نے صوبہ براہ اور اپنی ریاست کے دوسرے اضلاع کو آئرل ایسٹ انڈیا کمپنی کی دست میں دینی طور پر تفویض کر دیا تاکہ حیدرآباد کنٹینٹ منتقل طور پر رکھی جائے“ سلہ

اس سے گورنر جنرل اور ریڈنٹ دونوں کی بدتمتی ظاہر ہے -

یہ تھا اس درخت کا پھل جسے ۵۰ سال پہلے بویا گیا تھا پہلے یار و فادار

۱۵۶

ہے کیا گیا کہ ہم دشمنوں سے تمہارے ملک کی حفاظت کریں گے۔ اور اس  
 حفاظت کے معاوضہ میں ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ کا ملک لیا گیا جو یاروفا دار  
 کے کل مقبوضات کا تیسرا حصہ تھا۔ اس کے بعد خود اپنی اغراض کے لئے ایک  
 فوج رکھی گئی۔ اور اس کا خرچ دوست سے مانگا گیا۔ غریب دوست اس کے  
 لئے بھی ۲۲ لاکھ روپیہ سالانہ و تیار ہوا۔ مگر جب اس کا خزانہ بالکل خالی  
 ہو گیا۔ اور اس میں آنا خرچ کرنے کی استطاعت نہ رہی۔ تو اپنی فوج پر خود  
 اپنے خزانہ سے روپیہ خرچ کیا گیا اور اسے دوست کے حساب میں  
 اس کے طور پر لکھا جاتا رہا۔ جہاں تک دوست کے امکان میں تھا اس نے اس  
 کو بھی یاد کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب اس کے بدن میں ایک خون کا قطر  
 بھی نہ رہا تو اپنی دوستوں نے جو اس کے محافظ بن کر آئے تھے۔ اس غریب  
 کے تلے پر چھری رکھ کر اسی ملک کا ایک دوہرا زرخیز حصہ اس سے چھین لیا  
 جس کی حفاظت کے لئے وہ اس سے پہلے ایک بڑا حصہ لے چکے تھے۔ حفا  
 کی تمام اقسام میں یہ سب سے زیادہ عجیب و غریب قسم ہے جس کی  
 ایجاد پر جزیرہ انگلستان کے باشندے بجا فخر سکتے ہیں!

۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے انگریزی حکومت نے دولتِ آصفیہ  
 کو اپنی حفاظت میں لیا تھا۔ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۱۷ء کی لڑائیوں کے بعد  
 جنوبی ہند میں کوئی طاقت ایسی نہ رہی تھی جس سے دولتِ آصفیہ  
 کو کوئی خطرہ ہوتا۔ حدود ریاست کی چاروں طرف اسی سلطنت برطانیہ  
 کے علاقے پہلے ہوئے تھے جو ریاست کی محافظ تھی اس کا قدرتی نتیجہ

یہ ہونا چاہئے تھا کہ ریاست کے حساب میں فوج کا خرچ سب سے کم ہوتا  
 لیکن دنیا یہ منکر حیران ہو گی کہ انگریزوں کی محافظت میں آنے اور سب  
 دشمنوں سے مطمئن ہو جائیے بعد اس ریاست کا فوجی خرچ اتنا بڑھ گیا کہ  
 اس وقت دنیا کی کسی سلطنت کا خرچ اتنا نہ تھا۔ سب ٹیڈیری فوج پر  
 ۶۳ لاکھ کنٹینٹ پر ۴۲ لاکھ اور خود اپنی قومی فوج پر ۶۴ لاکھ یعنی کل  
 ایک کروڑ ۶۹ لاکھ روپیہ سالانہ وہ حکومت خرچ کر رہی تھی جس کی کل  
 آمدنی ۲ کروڑ سے زیادہ نہ تھی۔ دوسرے الفاظ میں دس روپیہ کی  
 آمدنی رکھنے والا شخص اپنے چوکیدار کو ۹ روپے دیتا تھا۔ اور خود اپنا  
 گزر صرف ایک روپیہ میں کرتا تھا۔

۱۸۴۳ء جبکہ منفرت منزل نواب ناصر الدولہ نے اس ریاست کا  
 انتظام برادہ راست اپنے ہاتھ میں لیا تھا تو ریاست کے ماضی و محاسبات  
 کی حالت یہ تھی۔

آمدنی بوضع اخراجات نظم نسق.....	۱۲۲۴۹۵۴۵	اکھڑا
خرچ خاندان شاہی و ملازمین بارگاہ.....	۲۸۰۱۰۲۴	
کنسٹنٹ اور اپادویائی کی چوتھ و غیرہ.....	۴۰۳۱۱۴	
شاہی فوج.....	۶۴۱۳۸۵۲	
منصب دار و غیرہ.....	۱۷۸۰۱۲۶	



۱۰۹  
 کو پیشکاری کا عہدہ دیا گیا۔ نواب ناصر الدولہ بہادر غفران مندر  
 عہد نامہ تفویض برابر پر دستخط کر نیکے بعد چار سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے  
 اور اس کا رنج آخر ان کی جان ہی لیکر رہا۔ مئی ۱۷۵۷ء میں ان کا  
 انتقال ہوا۔ اور ان کی جگہ نواب فضل الدولہ مندر نشین ہوئے۔ جنہوں  
 نے غفران مندر کے انتظامات کو بحال رکھا۔

یہی زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں وہ جنگ آزادی برپا ہو گئی  
 جو غلطی سے ”غدر“ کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ اپنے ہاتھوں سب  
 کھو چکے کے بعد ہندوستانیوں کی انجمن اس وقت تھلین جب  
 سب کچھ بگاڑ چکا تھا۔ تاہم یہ آخری سبھا لاجھی اتنے زور کا تھا کہ ایک  
 دفعہ انگریزی سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اس وقت برہمنی کے گورنر نے  
 حیدرآباد کے ریڈنٹ کو تار دیا کہ :-

If the Nizam goes all is lost

(اگر نظام گئے۔ تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائیگا)

فرما زوڑے دکن کی قوت اس گئی گذری حالت میں بھی اتنی  
 زبردست تھی کہ اگر وہ انگریزی سلطنت کے دشمنوں میں شامل ہو جاتے  
 تو یہ سستے داموں حاصل کی ہوئی سلطنت سستے داموں نکل جاتی  
 اور اگر پھر واپس ملتی بھی تو بہت ہتھکے داموں ملتی۔ ایک انگریز مصنف نے  
 بالکل سچ کہا ہے۔

”اگر نظام بگاڑ بیٹھے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا نتائج رونما ہوتے

ناگپور میں عین موقع پر جس سازش کا انکشاف ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس کی ریاستیں بغاوت کے لئے کس قدر تیار بیٹھی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ٹریپلکین کے مسلمان لیڈرز پر دست درازی کے لئے صرف حیدرآباد کی طرف سے اشارہ کے منتظر بیٹھے تھے مجھے جس کسی فوجی آدمی سے گفتگو کرنیکا اتفاق ہوا۔ اس نے یہی کہا کہ اگر حیدرآباد اٹھ کھڑا ہوتا تو ہم کرنل ناگپور بلاری، کراچی، بنگلور، مدراس، تریچنپلی اور دوسرے شہروں میں بغاوت سے نہ بچ سکتے۔ اور یہ بھی خشک تھا کہ سبھی جو مدراس ہی کی طرح بے چین تھا۔ اس مرض متعدی کے اثر سے بچ رہتا۔

لیکن تمام ان بیوفائیوں اور بدعہدیوں کے باوجود انگریزی حکومت نے نواب میر نظام علی خان کے انتقال سے یکسر غافل نہ رہا۔ ایک سال تک کی تھیں۔ اور انٹلیم عظیم کے باوجود جو چارہ ہی سال پہلے بارکے استحصال بالجبر کی صورت میں کیا گیا تھا۔ نظام انگریزی حکومت کی وفاداری پر ثابت قدم ہے۔ ان کی رعایا میں قومی و مذہبی جوہر پورے زور کے ساتھ بھرک چکا تھا۔ حیدرآباد کے مسلمان جہاد کے لئے بے چین تھے۔ نظام اور ان کے مدارالمہام پر مذہب قومیت کی خاطر ہر قسم کی ترغیبات کا زور ڈالا جا رہا تھا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس نازک وقت میں یہ بات انگریزوں کی قدرت سے بالکل باہر تھی کہ نظام کو وفادار رہنے پر مجبور کر سکتے لیکن نواب آصفیاء

۱۱۱  
 نے صرف یہی نہیں کہ اپنا وزن دشمنوں کے پلٹے میں ڈالنے سے احتراز  
 کیا، بلکہ اس سے بڑھ کر انہوں نے اپنی پوری قوت انگریزوں کی اطو  
 و اعانت میں صرف کر دی، اور انھیں کی مدد سے سلطنت برطانیہ  
 ہندوستان میں از سر نو مستحکم ہوئی۔

جس وقت غدر کی اطلاع حیدرآباد پہنچی تو تمام شہر میں ایک  
 ہیجان پیدا ہو گیا۔ ۱۳ جون کو حفیظ طہر پر ایک اشتہار شائع ہوا جس میں  
 مسلمانوں کو جنگ پر ابھارا گیا تھا۔ اس کے بعد کہ مسجد میں ایک پرجوش  
 جلسہ ہوا اور سبزر علم بلند کر دیا گیا، قریب تھا کہ ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ مگر  
 سالار جنگ نے شہر میں عربی فوج کے پہرے لگوا دیے اور تمام جو  
 جماع کو بزور منتشر کر دیا۔ تاہم غنیظ و غضب کی آگ جو انگریزوں کے  
 خلاف بھڑک رہی تھی فرو نہ ہوئی۔ اور آخر کار ۷ جولائی کی صبح کو  
 روہیلوں کی ایک زبردست جماعت نے ریزنڈنسی پر حملہ کر ہی دیا  
 جسے بڑی مشکل سے رد کیا گیا اور حملہ آوروں کے لیڈروں میں سے  
 ایک (طرہ باز خاں) جمعہ دار کو گولی مار دی گئی۔ اور دوسرے  
 (مولوی علاؤ الدین) کو کالے پانی بھیج دیا گیا۔ اس وقت شہر میں  
 ۲۶ ہزار روہیلے، سکھ، سندھی، حبشی، اور ترک و مغل موجود تھے  
 اور شہر کی ۳ لاکھ آبادی کا بھی ایک بڑا حصہ مصلح تھا۔ خود سرکار  
 فوج کی ہمدردیاں بھی ان لوگوں کے ساتھ تھیں جو انگریزوں کے اخراج  
 کے لئے لڑنا چاہتے تھے ایسی حالت میں نواب فضل الدولہ اور سالار جنگ

۱۱۲  
 سے نئے انگریزوں کی دفاعی پر قائم رہنا اور ان کی مدد کرنا جس قدر  
 مشکل تھا، ظاہر ہے، مگر ان تمام نازک حالات کے باوجود انہوں  
 نے ثابت قدمی کے ساتھ پہلے اپنی ریاست میں امن قائم کیا اور  
 اس کے بعد اپنی فوج سے برٹش گورنمنٹ کی امداد کی۔ جس کی بدولت  
 وسط ہند میں انگریزی تسلط از سر نو قائم ہوا۔ جھانسی، بیچ، اور مید  
 پور کے معرکے سر ہوئے اور ان زبردست طاقتوں کا ہمیشہ کیلئے  
 مقلع قمع ہو گیا جو ہندوستان کو سپید خطرے سے نجات دلانے  
 کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اس ہنگامہ میں نظام کی صرف  
 مادی امداد ہی انگریزوں کے کام نہیں آئی۔ بلکہ اخلاقی امداد نے  
 بھی ان کو بہت کچھ سہارا دیا۔ اور یہ اخلاقی امداد ایسی تھی جس  
 کا اثر صوبہ سرحد کے دور و دراز علاقوں تک پہنچا ہوا تھا۔ سر  
 نے کاشن جو ۱۸۵۷ء میں پشاور کی فوج کا کمانڈر تھا اپنی کتاب  
 میں لکھتا ہے کہ

”شمالی مغربی سرحد کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے متعدد مرتبہ  
 مجھے کو قیاس دلا یا کہ کسی نہ کسی دن ہماری حکومت کے خلاف  
 ایک عام بغاوت کھڑی ہو جائے گی۔ دہلی سے نسل اعظم  
 کی نسل مٹ جانے کے بعد وہ نظام کو اپنا بڑا سر دار اور  
 اسلامی مفاد کا سہارا سمجھتے ہیں۔“

حضور نظام کی ان عملی ہمدردیوں کے باوجود انگریزوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور انہیں ہر وقت یہ بدگمانی تھی کہ یہ سب کچھ خاص کیسا تھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ لیکن آخر میں خود زبردستی کرنل ڈیوڈسن کو اعتراف کرنا پڑا کہ :-

”میں نے ایسے گوشوں اور ایسے طریقوں سے جن پر شکل سے کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ نظام کی شدید نگرانی کی ہے۔ اگرچہ پیغامبران کے پاس آتے تھے لیکن ان کی داستا میں سننے کے بعد وہ ہر ایسی تحریک میں شریک ہونے سے انکار کرتے تھے، جو برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہوتی ہو۔“

## وفاداری کا صلہ

حضور نظام کی اس بیش قیمت امداد اور مخلصانہ وفاداری پر زبانی تعریف و توصیف کے پھول تو بہت برسائے گئے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قدر دانی کا عملی ثبوت کیا دیا گیا؟ اس کیلئے ہم کو پندرہ صدی کے بعد دونوں سلطنتوں کے معاملات پر ایک نظر ڈالنی چاہیے۔ جولائی ۱۸۶۱ء میں گورنمنٹ کی جانب سے حضور نظام کو انہر اپونڈ کے اور سالار جنگ بہادر کو ۳ ہزار پونڈ کے تحائف

بھیجے گئے، مگر دستور قدیم کے مطابق اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے ۱۱۴ ہزار روپوں کے تحائف گورنر جنرل کو بھیجے۔ جو اڑھائی لاکھ روپے قاعدہ گورنمنٹ کے خزانہ میں داخل کر دیئے گئے۔ اس تجارت میں گورنمنٹ نے کہونے کے بجائے کچھ پا ہی لیا۔

غدر میں سرکار نظام کی فوج نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اور سلطنتِ بھارت کی حفاظت میں جو جان نثاری کی تھی، اس پر ازراہِ خوشنودی یہ انعام فرمایا گیا کہ جنگ میں حصہ لینے والے سپاہیوں کے لئے پانچ پانچ روپیہ مہینہ کا زائد ہجرت مقرر کر دیا گیا۔ لیکن اس نضوِ خرمی کا بوجھ سرکار انگریزی کے خزانہ پر نہیں پڑا۔ بلکہ خود سرکار نظام ہی کے خزانہ پر پڑا کیونکہ یہ زائد خرچہ برار کی آمدنی سے وصول کیا گیا۔ اور اسے نظام کے حساب میں محسوب کر لیا گیا۔

اس کے بعد اس گراں پایہ عزت و احترام کے فریادِ ظہار کے لئے جو ”ملکہِ معظّمہ“ کے دل میں ہر بائی سن کے لئے موجود تھی، ۱۱۴۷ء کے آخر میں ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ جس سے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غدر کی خدمات کا ”اجر“ تھا۔ اس معاہدہ میں ”یار و فادار“ پر جو انعام فرمائے گئے ان کی حقیقت ذرا تشریح کی محتاج ہے۔

(۱) دفعہ دوم کی رو سے بٹش گورنمنٹ نے شورا پور کا علاقہ نظام کے کمال شاہی اختیارات میں دیدیا۔ اس علاقہ کی آمدنی لاکھ

۱۱۵  
 ۲۰ ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ پہلے یہ علاقہ خود سرکار نظام کا تھا  
 ۱۸۵۷ء کے معاہدہ کی دفعہ ۷ میں تبصریح گدوال کے ساتھ شوراپور  
 کے زمیندار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور عہد کیا گیا ہے کہ اگر وہ سرکار  
 نظام کے جائز مطالبات کو ادا کرنے میں قاصر رہے گا۔ یا بدامنی  
 پہیلانے گا تو اس کے خلاف جمعیت نعلبندی (میڈیٹری فورس) کو  
 استعمال کیا جاسکے گا۔ ۱۸۵۲ء میں سرکار نظام کو اس سے  
 شکایت ہوئی کہ چند سال سے نہ اس نے پیش کش حاضر کیا اور  
 نہ نذرانہ، معاہدہ کے مطابق رزٹرنٹ سے استمداد کئے گی تو اس نے  
 کمپن میڈوزٹیلر کو تحقیقات کے لئے بھیجا اور آخر میں مطالبات  
 کی تدبیریحی تحصیل کے لئے دونوں سرکاروں کے اتفاق سے اس کو  
 ”اسپیشل ایجنٹ“ مقرر کیا گیا۔ چند سال اس طرح گزرے تھے  
 کہ شوراپور کے نوجوان راجہ نے سرکار نظام کے خلاف بغاوت  
 کر دی اور اس کی سرکوبی کے لئے جمعیت نعلبندی کی بجائے  
 (جس کا معاہدہ میں وعدہ کیا گیا تھا) کنٹینٹ فورس کو بھیجا  
 گیا۔ از روئے عقل اور از روئے قانون یہ لازم تھا کہ اس  
 راجہ کو از سر نو اسی حکومت کا مطیع بنایا جاتا۔ جس کا وہ پہلے  
 باجگزار تھا۔ لیکن کیا یہ گیا کہ نظام کی فوج سے نظام ہی کی  
 رعیت کے ایک باغی سردار کی سرکوبی کی گئی۔ اور پھر نظام

۱۱۶  
 کے بجائے اس کا علاقہ انگریزی مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔ اس  
 یہی وہ صحیح ظلم تھا جس کی تلافی ۱۸۶۱ء کے معاہدہ میں  
 کی گئی، اور یہ اسی چیز تھی جس کو مشکل ہی سے صلہ و انعام کہا جاسکتا ہے  
 (۲) کنٹینٹ کے سلسلہ میں حضور نظام کے ذمہ جو ۵۰ لاکھ  
 روپیہ (حالی) کا "قرض واجب الادا" تھا اس کو دفتہ سوم کی  
 رو سے برٹش گورنمنٹ نے معاف کر دیا۔

اول تو یہ قرض فی الواقع کوئی قرض ہی نہیں تھا۔ گذشتہ  
 صفحات میں اس کی جو حقیقت بیان کی جا چکی ہے، اسے  
 پڑھنے کے بعد کوئی شخص نہ اسے قرض سمجھ سکتا ہے اور نہ اس  
 کی معافی کو کسی انعام سے تعبیر کر سکتا ہے، تاہم اگر یہ مان لیا جائے  
 کہ یہ "قرض" ہی تھا۔ تب بھی جس صورت میں اسے معاف  
 کیا گیا ہے وہ ایسی ہے کہ انگریزی حکومت بجائے نقصان  
 کے فائدہ ہی میں رہی ہے۔ ۱۸۵۲ء کے معاہدہ کی دفعہ (۸)  
 میں یہ طے ہوا تھا کہ ریزڈنٹ نظام کے تفویض کردہ علاقوں  
 کی آمدنی اور خرچ کا صحیح اور ٹھیک ٹھیک حساب سرکار نظام  
 کے سامنے برابر پیش کرتا رہے گا۔ اور دفعہ ۶ کے مطابق تمام  
 اخراجات وضع کر کے جو کچھ بچے گا۔ وہ سرکار نظام کے خزانہ

میں داخل کر دے گا۔ اس میں شک نہیں کہ معاہدہ میں یہ تصریح نہیں کی گئی تھی کہ علاقہ مفوضہ کے نظم و نسق کے مصارف کیا ہونگے۔ لیکن کرنل لونے سرکار نظام کو یقین دلا گیا تھا کہ ۲ رنی روپیہ یعنی کل آمدنی کے ۱۵ سو زیادہ خرچ نہیں کیا جائیگا۔ کرنل ڈیوڈسن اپنے ۶ جولائی ۱۸۵۹ء کے امرسلہ میں صاف کہتا ہے کہ۔

”تو اگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جنرل لوسی بے نے سابق وزیر سراج الملک اور موجودہ وزیر سالار جنگ کو یہ سمجھنے کا موقع دیا تھا کہ ہمارے انتظام کا خرچ ۲ رنی روپیہ یعنی کل آمدنی کے ۱۲ ۱/۲ فی صدی سے زیادہ نہ ہوگا۔“

خود گورنر جنرل لارڈ کیننگ اپنے ۶ جولائی ۱۸۶۰ء کے مراسلہ میں تسلیم کرتا ہے کہ

”جب معاہدہ پر دستخط کئے گئے تھے تو نظام کو یہ توقع تھی کہ ان اضلاع کے انتظام کا خرچ ۲ رنی روپیہ یعنی ۱۲ ۱/۲ فی صدی سے زیادہ نہ ہوگا۔“

لیکن ان تصریحات کے باوجود علاقہ مفوضہ کی ۴۵ لاکھ سالانہ

۱۵

Aitchison Vol. IX P. 96

۱۶

Hyderabad Affairs Vol. II. P. 410

۱۷

Hyderabad Affairs Vol. II. P. 414

آمدنی میں سے تقریباً لاکھ روپیہ سالانہ نظم و نسق پر خرچ کیا گیا جو آرنہ اور آرنہ فی روپیہ کے قریب تھا۔ اور دوسرے اخراجات ملاکر اصلع مفوضہ کی ساری آمدنی انگریزی حکومت نے خود ہی خرچ کر ڈالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۰ء تک بچت کی ایک پائی بھی نہ رہا۔ نظام کے خزانہ میں داخلہ کی گئی۔ خود گورنر جنرل اور ریڈنٹ کو اپنی اس فوضو نخرچی کا اعتراف تھا، کرنل ڈیوڈسن اپنے ۶ جولائی ۱۸۵۹ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ

” میں یہ توقع کرتا ہوں کہ عملہ کے اخراجات کی بھاری رقم اور نظام کی فوضو نخرچی پر وزیر (یعنی حیدرآباد کا مدارالمہام) اعتراض کرے گا۔“

اسی اعتراض کے خوف سے سات سال تک اصلع مفوضہ کے حسابات سرکار نظام کو نہیں دیئے گئے اور باوجود بار بار مطالبہ کرنے کے معاہدانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے پہلو تہی کی جاتی رہی۔ جس کے متعلق لارڈ کنینگ کو اپنے ۷ جولائی ۱۸۶۰ء کے نوٹ میں اعتراف کرنا پڑا کہ :-

” از روئے معاہدہ ہم ان حسابات کو سال کے سال پیش کرنے پر مجبور تھے یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا۔“

اور لارڈ لانس کو بھی ۱۳ فروری ۱۸۶۹ء کے ایک مراسلہ میں تسلیم کرنا پڑا کہ  
 مسلمانہ حسابت پیش کرنے میں کوتاہی کرنا ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی ذمہ  
 (۸) کے صریح الفاظ سے انحراف تھا، ۱۸۵۳ء

اس خلاف ورزی معاہدہ سے بڑش گورنمنٹ سات سال تک جو  
 ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی اور سرکار نظام کو اس کے تفویض کردہ علاقہ کے  
 اس منافع میں سے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ (۸) کی رو سے اس کو  
 ملنا چاہئے تھا۔ محروم کر کے جو ظلم کرتی رہی اس کی تلافی کے لئے اس نے  
 ۱۸۶۰ء میں یہ تجویز پیش کی کہ اگر سرکار نظام بڑش گورنمنٹ سے  
 مفوضہ اضلاع کا پچھلا حساب نہ مانگے تو اس کے عوض وہ اس ۵۰ لاکھ  
 روپیہ (حالی) کی رقم کو معاف کر دیگی۔ جو قرض کے طور پر سرکار نظام کے  
 ذمہ واجب الادا ہے۔ ۷ جولائی ۱۸۶۱ء کے مراسلہ میں زیر بحث  
 معاہدہ کی شرائط تجویز کرتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری نے  
 کرنل ڈیوڈسن ریڈینٹ کو لکھا تھا کہ

”گورنر جنرل اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ گذشتہ سالوں میں جو زائد  
 سول اخراجات ہوئے ہیں ان کو نظام کی طرف سے ۵ لاکھ روپیہ  
 مالی کے قرض کی مایگی طور پر تسلیم کریں۔ ۱۸۵۳ء

میو راجرز صفحہ ۲۱ و ۲۲ ۱۸۵۳ء

Hyderabad Affairs P. 414, 415

۱۲۰  
 اور یہی نہیں بلکہ اس پچاس لاکھ کے قرض کی معافی کے معاوضہ میں  
 گورنمنٹ نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ آئندہ کے لئے بھی سرکار نظام اضلاع مفوضہ  
 کے حسابات کا مطالبہ بنکرے اور مصارف کی کمی و زیادتی کو برٹش گورنمنٹ  
 کے اپنے اختیار تیزی پر چھوڑ دے، چنانچہ سن ۱۸۶۷ء کے معاہدہ کی دفعہ ۴  
 میں تصریح یہ طے کر لی گئی کہ ہر بائیس سال کی حکومت اضلاع مفوضہ  
 کے سابق، حال اور آئندہ کے حسابات کا مطالبہ ترک کر دیگی۔ اور اگرچہ  
 برٹش گورنمنٹ پر لازم ہو گا کہ اضلاع مفوضہ کی آمدنی میں سے مقررہ  
 مصارف وضع کر کے بجٹ کی رقم سرکار نظام کے خزانہ میں داخل کرے،  
 لیکن مصارف کا تعین کا اختیار کلکتہ برٹش گورنمنٹ کو ہو گا۔ اس  
 شرط سے برٹش گورنمنٹ نے جو فائدہ اٹھایا اس کا حال آگے آتا ہے،  
 اسے پڑھ کر ہر شخص معلوم کر سکا کہ ۵۰ لاکھ کے قرض کی معافی کے بدلے میں اس  
 نے ۲۲ سال کے عرصہ میں اس سے وہ چند فائدہ اٹھایا جس کو  
 بھی کوئی ذی ہوش "انعام" سے تعبیر نہیں کر سکتا۔

(۳) دفعہ ۵ کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے اضلاع مفوضہ میں  
 سے دو آبڈا پنچور اور وہ اضلاع جو کلکتہ ٹری اجمنڈ اور شولاپور سے متصل  
 واقع ہیں۔ سرکار نظام کو واپس کر دے اول تو یہ وہی اضلاع تھے جو  
 ۱۸۵۳ء میں زبردستی سرکار نظام سے چھین لئے گئے تھے دوسرے خود

ورز جنرل کے اعتراف کے مطابق کنٹریبنٹ کی تنخواہوں کے لئے جتنے علاقے کی ضرورت تھی اس کے لئے برار پائین گھاٹ اور بالا گھاٹ بالکل کافی تھے اور یہ علاقے قطعاً زائد ضرورت کے لئے گئے تھے۔ اسلئے ان علاقوں کو کنٹریبنٹ کی تنخواہوں کے نام سے اپنے قبضہ میں رکھنے کا گورنمنٹ کو کوئی حق نہ تھا اور انہیں واپس کرنے پر وہ مجبور تھی لیکن اس اخلاقی و قانونی فرض کو بھی اس نے بلا معاوضہ انجام دیا۔ اس نے اس کے بدلے میں متعدد قسم کے فائدے اٹھائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دفعہ ہفتم کی رو سے برار کے وہ تعلقے حاصل کئے جو صرف خاص کے علاقہ میں تھے اور جن کی آمدنی ۶۵۵.۵۰ روپیہ سالانہ تھی۔

دفعہ آہٹم کی رو سے سرکار نظام کے وہ مقبوضات حاصل کر لئے جو دریائے گوداوری اور پائین گنگا کے دوسری جانب تھے۔ ان ضلع کی آمدنی ۱۶۵۷۷۵ روپیہ سالانہ تھی اور ان کے جنگلات کی لکڑی کی قیمت بھی ۵۰ لاکھ روپیہ سے کم نہ تھی۔ علاوہ ازیں اس علاقہ کے حاصل کرنے سے انگریزی حکومت کو فوجی فوائد بھی حاصل ہوئے جنکو پٹیشن ہیگ .....

ڈسٹرکٹ انجینئر نے اپنے ۳۰ اگست ۱۸۵۷ء کے مراسلہ میں بیان کیا ہے کہ اس علاقہ کو حاصل کرنے کے لئے برٹش گورنمنٹ اس قدر بے چین تھی کہ سرکار نظام کو

۱۷ دیکھو گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکریٹری کا مراسلہ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء نمبر ۲۵۱ صیفہ نارہ

۱۷۔ ٹائٹل آف انڈیا مورخہ ۲۷ اپریل ۱۸۵۷ء

صاف طور پر لکھ دیا گیا تھا کہ

”برٹش گورنمنٹ ہرٹائی منس نظام کو گوداوری کے تعلقوں کی تفویض سے  
پھر جانے کی ہرگز اجازت نہ دے گی۔ اور اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش  
کریں گے تو اس سے دونوں حکومتوں کے درمیان غیر دوستانہ اور مجسمہ

ذرا رضی کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔

یہ نواہد اٹھانے کے بعد اگر برٹش گورنمنٹ نے سرکار نظام کو خود اس کا  
زبردستی چھینا ہوا ملک واپس کر دیا تو اس کو مشکل ہی سے ”انعام“ کہا جاسکتا ہے۔  
انگریزی حکومت نے نواب فضل الدولہ بہادر پر یہ اثر جانے کی کوشش تو ضرور کی تھی  
کہ یہ سب کچھ ان کی پیش قیمت خدمات کے صلہ میں انعام کے طور پر دیا جا رہا ہے  
لیکن کرنل ڈیوڈسن سے گفتگو میں انہوں نے صاف طور پر اس خیال کا اظہار  
کر دیا کہ جو کچھ ان کا تھا وہی ان کو دیا جا رہا ہے۔ خود انصاف پسند انگریزوں  
نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ۱۸۶۷ء کے معاہدہ میں انگریزی حکومت  
نے نظام کو جتنا فائدہ پہنچایا اس سے زیادہ خود حاصل کر لیا چنانچہ ۳۰ اپریل  
۱۸۶۷ء کے ایک لیڈنگ آریکل میں ٹائمز آف انڈیا نے صاف لکھا تھا کہ

”معاہدہ کی گفت و شنید میں ہم نے بہت سے نواہد حاصل کرنے۔ اس معاہدہ  
سے جو لوگ بہتر واقفیت رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ ۱۸۶۷ء کے ضمنی معاہدہ  
میں منافع و نواہد کے ترازو کا پلڑا ہماری طرف زیادہ جھکا ہوا تھا۔“

## سرسالار جنگ کا مطالبہ استر و اد برار

سرسالار جنگ مرحوم جو معاہدہ تفویض برار کے ایک ہی ہفتہ بعد اپنے چچا سراج الملک کی جگہ دارالہمام بنائے گئے تھے۔ اپنے خاندان کی پیشانی پر اس کو بڑا داغ سمجھتے تھے کہ اس کے ایک فرود کی وزارت میں ملک برار دولت آصفیہ کے قبضہ سے نکلا ہے ایک مرتبہ انہوں نے خود انگریزی زریڈ کزنٹ لومسڈن (Lumsden) سے کہا تھا کہ

” ان اضلاع کی تفویض کا واقعہ میرے چچا کی زندگی کے آخری لمحوں میں پیش آتے سے والی ملک اور اہل ملک کی نظروں میں میرے خاندان کی رسوائی ہوئی ہے، اعلیٰ حضرت مغفرت مکان نے بارہا مجھ سے فرمایا تھا کہ ان اضلاع کی واپسی کے لئے اپنا سارا زور صرف کر دو۔ اور میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے خاندان پر سے اس داغ کو دور کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا۔“

یہی خیال تھا جس کی بنا پر ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۱ء تک سات سال کی مدت میں انہوں نے کم از کم چھ مرتبہ واپسی برار کی درخواست کی۔ مگر یہ درخواست چونکہ محض درخواست تھی۔ اس میں مطالبہ کا زور نہ تھا اس لئے اسکی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اور ۱۸۶۱ء میں مفوضہ علاقہ کا کچھ واپس کر کے انکی شناسائی

۱۔ Hyderabad Affairs Vol. II, P. 356

۲۔ Hyderabad Affairs Vol. II P. 380

کردی گئی۔ لیکن سالار جنگ اس سے مطمئن ہونے والے نہ تھے۔ وہ اس مطالبہ کے لئے ایک اچھے موقع کے منتظر تھے اور وہ موقع میسور کے واقعات نے ان کو بہم پہنچا دیا۔

۱۷۹۹ء کی جنگ میسور میں جب ٹیپو سلطان کی پوری مملکت فتح ہو گئی تو اردو سے معاہدہ یہ ضروری تھا کہ ملک کو انگریزی حکومت اور سرکار نظام کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا۔ لیکن اچھی سن ..... کے بقول انگریزی حکومت نے اس خیال سے کہ نظام کی طاقت حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے میسور کے اس پرانے شاہی خاندان کو جسے حیدر علی نے بیٹل کر دیا تھا ڈھونڈ کر نکالا اور ۱۷۶۰ء ۳۷ ہن کا ملک دیکر تین برس کے ایک بچے کو اس کا راجہ بنا دیا چونکہ یہ ریاست محض نظام کے ٹوڑ پڑ قائم کی گئی تھی۔ اس لئے انگریزی حکومت کی سیاست کا میلان اسی طرف رہا کہ جب کوئی بہانہ ملے تو اسے مٹا کر سارا ملک انگریزی مقبوضات سے ملحق کر لیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۳۱ء میں ہمارا جہ کی فضول خرچی کے بہانہ سے اس میں مداخلت کی گئی اور ۱۸۳۲ء میں ساری ریاست انگریزی انتظام میں لے لی گئی۔ ۱۸۱۶ء میں ہمارا جہ میسور نے اپنے ملک کی سجالی کا مطالبہ کیا مگر اسے رد کر دیا گیا۔ ۱۸۱۶ء میں اس نے پھر مطالبہ کیا اور اسے پھر جواب ملا کہ ہمارا جہ نہ کسی حق کے طور پر ریاست کی سجالی کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور نہ اسے مجال کرنا باشدگان ریاست کے مفاد کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ ۱۸۱۶ء میں ہمارا جہ نے ایک لڑکے کو تہنی

۱۲۵  
 بنانے کی اجازت مانگی تو اسے بھی روک دیا گیا اور ۱۸۶۵ء میں جب ہمارا جنے  
 ایک لڑکے کو گود لے لیا تو برٹش گورنمنٹ نے اس کا روائی کو جائز تسلیم کرنے  
 سے انکار کر دیا۔

گورنمنٹ کے اس رویہ سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے ملک کو ملحق  
 کر لینے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے اس لئے سالار جنگ نے اس موقع کو اپنے جائز حقوق  
 کا مطالبہ کرنے کیلئے موزوں خیال کیا اور ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۶ء کو سر جارج بول  
 (رزیدنٹ) کے نام ایک خط لکھا جس کے اہم نکات حسب ذیل تھے۔

(۱) ۱۸۶۶ء کے معاہدہ کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے وعدہ کیا تھا کہ ہر  
 کی آمدنی میں سے جو کچھ بچت ہوگی اسے سرکار نظام کے حوالے کر دے گی۔ لیکن  
 معاہدہ کی تکمیل کو چھ سال گزرنے کے باوجود اس سرکار کو ایک پیسہ بھی بچت کا  
 نہیں ملا اور نہ آئندہ ملنے کی امید ہے کیونکہ ہر ایک کی ۵ لاکھ آمدنی میں سے ۲۳  
 لاکھ روپیہ صرف نظم و نسق میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔ سرکار نظام اس وقت پے  
 کی سخت ضرورت مند ہے اور وہ اس کا حق رکھتی ہے کہ کنٹریبیٹ کی تنخواہوں کا  
 دوسرا اطمینان بخش انتظام کر کے اپنے ان اضلاع کو واپس لے لے۔

(۲) برٹش گورنمنٹ نے میسور کے علاقہ کو ملحق کر لینے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے  
 اس لئے سرکار نظام کو اس علاقہ میں سے اسی طرح حصہ لینا چاہئے جس طرح  
 ۱۸۶۹ء کے معاہدہ تقسیم میسور میں ملا تھا اگر برٹش گورنمنٹ میسور کی نئی ریاست  
 قائم نہ کرتی تو بلاشبکہ یہ ملک سرکار نظام اور سرکار انگریزی کے درمیان  
 تقسیم ہوتا جس طرح اس وقت اس ریاست کا قیام سرکار نظام کی موافقت سے

۱۲۶  
 ہوا تھا۔ اسی طرح اب اس کا سقوط بھی اگر ہو تو سرکار نظام کی موافقت سے ہونا چاہئے  
 (۳) ۱۸۷۱ء کے خفیہ معاہدہ کی دفعہ ۳ میں طے ہوا تھا کہ آئندہ جو علاقے  
 دونوں حکومتوں کی متحدہ افواج کی قوت سے فتح ہوں گے وہ دونوں حکومتوں  
 کے درمیان برابر تقسیم کئے جائیں گے۔ چنانچہ اسی دفعہ کے ماتحت ۱۸۷۲ء اور  
 ۱۸۷۳ء میں سرکار نظام کو پیشوا اور سندھیا کے مفتوحہ علاقوں میں سے حصہ  
 دیا گیا تھا اور اب اسی معاہدہ کے مطابق کرنول اور گومسور کے علاقوں میں  
 سرکار نظام کو کم از کم ۱۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کا حصہ ملنا چاہئے کیوں کہ ان  
 علاقوں کی فتح میں اس سرکار کی فوج شامل تھی۔

(۴) ۱۸۷۱ء کے معاہدہ کی رو سے کرنول کا صرف پیش کش تفویض کیا گیا  
 تھا نہ کہ اصل علاقہ از روئے آئین ملک بدستور سرکار نظام کی ملک رہا اور اس کے  
 حق ملکیت کو اس سرکار نے کبھی تفویض نہیں کیا اس لئے اسکی آمدنی پیش کش  
 کو وضع کر کے اس سرکار کا حق ہے۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے سرکار نظام کے حقوق حسب ذیل ہیں۔

۱۶۰۰۰۰۰	کرنول کی مالگذاری بوضع پیش کش
۱۵۰۰۰۰	گومسور کی مالگذاری میں سرکار نظام کا حصہ
۳۱۵۰۰۰۰	میسور کی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا نصف
۶۰۰۰۰۰۰	جملہ

چونکہ ابھی ریاست میسور کے انقراض کا مسئلہ طے نہیں ہوا ہے اس لئے  
 فی الحال اسے چھوڑ کر اول الذکر دو علاقوں کا ۱۸۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ نتیجہ

کے مصارف کے لئے قبول کیا جائے اور بقیہ ۱۲۶۰۰۰ روپیہ کے لئے ملک میسور کا تصفیہ ہونے تک ہم قابل اطمینان ضمانت فراہم کر دیں گے۔ اس انتظام کے بعد ملک برار سرکار نظام کو واپس دیدیا جائے

اس مراسلہ کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ برار کی آمدنی میں سے تقریباً ۱۰ لاکھ روپیہ سال کے ختم ہونے سے پہلے سرکار نظام کو دینے کے احکام جاری ہو گئے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۷ء میں مہاراجہ میسور کے گود لئے ہوئے لڑکے کو ان کا وارث تسلیم کر لیا گیا اور مہاراجہ کے مرنے کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۸۶۸ء کو اس لڑکے کی گدی نشینی کی رسم بھی ادا کر دی گئی۔

دوسری طرف سر سالار جنگ کے اس خلاف توقع مطالبہ سے برطانیہ حلقوں میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ۱۴ نومبر ۱۸۶۷ء کو رزولوشن ایک طویل نوٹ کے ساتھ سالار جنگ کا خط گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس بھیجا، اور اس میں بڑی کاوش سے ان کے دلائل کی تردید کی اس کے جواب میں ۱۳ فروری ۱۸۶۷ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری مشروٹلی نے حیدرآباد کے رزولوشن کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا جس کے ابتدائی فقروں میں یہ فقرہ خصوصیت کے ساتھ ان جذبات غیظ و غضب کو ظاہر کرتا ہے جو مالِ مخصوبہ کی باز طلبی پر غاصبوں کی عجمت میں ہمیشہ پیدا ہو جایا کرتا ہے اس میں لکھا تھا کہ

”دائراً یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ حکومت حیدرآباد کے موجودہ دعویٰ

۱۲۶  
 ہوا تھا۔ اسی طرح اب اس کا سقوط بھی اگر ہو تو سرکار نظام کی موافقت سے ہونا چاہئے  
 (۳) ۱۸۷۰ء کے خفیہ معاہدہ کی دفعہ ۳ میں طے ہوا تھا کہ آئندہ جو علاقے  
 دونوں حکومتوں کی متحدہ افواج کی قوت سے فتح ہوں گے وہ دونوں حکومتوں  
 کے درمیان برابر تقسیم کئے جائیں گے۔ چنانچہ اسی دفعہ کے ماتحت ۱۸۷۰ء اور  
 ۱۸۷۱ء میں سرکار نظام کو پیشوا اور سندھیا کے مفتوحہ علاقوں میں سے حصہ  
 دیا گیا تھا اور اب اسی معاہدہ کے مطابق کرنول اور گومسور کے علاقوں میں  
 سرکار نظام کو کم از کم ۱۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کا حصہ ملنا چاہئے کیوں کہ ان  
 علاقوں کی فتح میں اس سرکار کی فوج شامل تھی۔

(۴) ۱۸۷۰ء کے معاہدہ کی رو سے کرنول کا صرف پیش کش تفویض کیا گیا  
 تھا نہ کہ اصل علاقہ آرونے آئین ملک بدستور سرکار نظام کی ملک رہا اور اس کے  
 حق ملکیت کو اس سرکار نے کبھی تفویض نہیں کیا اس لئے اسکی آمدنی (پیش کش  
 کو وضع کر کے) اس سرکار کا حق ہے۔

ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے سرکار نظام کے حقوق حسب ذیل ہیں۔

۱۷۰۰۰۰۰	کرنول کی مالگذاری بوضع پیش کش
۱۵۰۰۰۰	گومسور کی مالگذاری میں سرکار نظام کا حصہ
۲۱۵۰۰۰۰	میسور کی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا نصف

۶۰۰۰۰۰۰ جملہ

چونکہ بھی ریاست میسور کے انقراض کا مسئلہ طے نہیں ہوا ہے اس لئے  
 فی الحال اسے چھوڑ کر اول الذکر دو علاقوں کا ۱۸۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کنٹریبیٹ

کے مصارف کے لئے قبول کیا جائے اور بقیہ ۱۲۶۰۰۰۰ روپیہ کے لئے ملک میسور کا تصفیہ ہونے تک ہم قابل اطمینان ضمانت فراہم کر دیں گے۔ اس انتظام کے بعد ملک برار سرکار نظام کو واپس دیدیا جائے

اس مراسلہ کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ برار کی آمدنی میں سے تقریباً ۱۰ لاکھ روپیہ سال کے ختم ہونے سے پہلے سرکار نظام کو دینے کے احکام جاری ہو گئے دوہرا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۷ء میں ہمارا جہ میسور کے گود لئے ہوئے لڑکے کو ان کا وارث تسلیم کر لیا گیا اور ہمارا جہ کے مرنے کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۸۶۵ء کو اس لڑکے کی گدی نشینی کی رسم بھی ادا کر دی گئی۔

دوسری طرف سر سالار جنگ کے اس خلاف توقع مطالبہ سے برطانیہ حلقوں میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ۳۱ نومبر ۱۸۶۶ء کو رزٹرنٹ ایک طویل نوٹ کے ساتھ سالار جنگ کا خط گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس بھیجا، اور اس میں بڑی کاوش سے ان کے دلائل کی تردید کی اس کے جواب میں ۱۳ فروری ۱۸۶۷ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری مٹروپولیٹن نے حیدرآباد کے رزٹرنٹ کے نام ایک طویل مراسلہ

لکھا جس کے ابتدائی فقروں میں یہ فقرہ خصوصیت کے ساتھ ان جذبات غیر و غضب کو ظاہر کرتا ہے جو مال مخصویہ کی باز طلبی پر غاصبوں کی عجت میں ہمیشہ پیدا ہو جایا کرتا ہے اس میں لکھا تھا کہ

”دائراے یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ حکومت حیدرآباد کے موجودہ دعویٰ

صحیح اور مبنی برالضاف ہیں۔ گو نسل میں ان پر اسی قدنگہ اور متقلبانہ  
 غور و خوض کیا گیا جس قدر ملکہ کی اہمیت اور اس سے زیادہ خود نہرانی  
 کی آزمودہ و ناداری متقاضی تھی مگر نہ اسلٹسی نے اس نتیجہ پر پہنچنے کے  
 لئے اپنے آپ کو مجبور پایا کہ یہ دعاوی کلیتہً بے بنیاد ہیں اور محض دستی  
 کا شائبہ بھی ان کی تائید میں موجود نہیں ہے، گو گورنمنٹ آف انڈیا کیلئے  
 یہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ کسی دیسی ریاست کی درخواست پر سخت  
 الفاظ میں کلام کرے۔ مگر سالار جنگ کے خط میں فضول اور ادعا کی جو  
 روح بھری ہوئی ہے جو ان کے شاہی آقا کے مرتے اور خود انکی شان تدبر  
 دونوں کے خلاف ہے وہ گورنر جنرل کیلئے اسکے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں  
 رہنے دیتی کہ وہ آئندہ کیلئے یہ درخواست کریں کہ دربار حیدرآباد کی خط  
 کتابت اس سے زیادہ سنجیدگی اور ہوشمندی کے ساتھ ہونی چاہئے۔

فی الواقع یہ تہنیتی بھی معقول، کیونکہ حق طلب کرنا، معاہدات کی پابندی  
 پیرزور دینا اور برسوں کے کھائے ہوئے مال کو اگلوانے کی کوشش کرنا،  
 یہ سب کے سب نہایت غیر سنجیدہ اور غیر ہوشمندانہ افعال ہیں اور ان کا  
 ارتکاب انگریز کے سوا کوئی اور کرے تو وہ اسکی شاہانہ قدر و منزلت اور  
 مدبرانہ شان دونوں کے عین منافی ہے کیوں کہ دوسروں کے لئے تو یہی  
 سزاوار ہے کہ اپنا مال دیں اور پھر پلٹ کر نہ مانگیں۔

۶۱۸۶

ایک طرف سالار جنگ کو یہ جواب دیا گیا دوسری طرف ۱۴ فروری

کو سکریٹری آف اسٹیٹ لارڈ کرینپورن ..... کے نام

سالار جنگ کا خط ایک طویل نوٹ کے ساتھ بھیجا گیا اور انہیں لکھا گیا کہ

”ہم پوری احتیاط کے ساتھ تحقیقات کر کے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بیانا کردہ قرضوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور چونکہ وہ سمجھوتہ جسکی رو سے برٹش گورنمنٹ نے زیر بحث مصارف کی ذمہ داری قبول کی ہے اسکی روح ہی یہ ہے کہ ہمارے پاس ان مطالبات کو پورا کرنے کیلئے ایک ایسا مستقل ذریعہ آمدنی ہونا چاہئے جو اس کے لئے کافی ہو، اسلئے ہم نے دربار کو مطلع کر دیا ہے کہ ہم موجودہ تفویض برائیں کسی ترمیم کے فتح باب کی کوئی وجہ نہیں پاتے۔“

اس کے جواب میں ۳۱ مئی ۱۸۶۷ء کو لارڈ اسٹیفورڈ نامتھ کورٹ

سکریٹری آف اسٹیٹ نے لکھا کہ

”میں اس باب میں آپ کی رائے سے پورا اتفاق رکھتا ہوں کہ اس

قرض کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جس کے متعلق دربار حیدرآباد نے بیان

کیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ کے ذمہ نہ رہائی نظام کی طرف سے واجب الادا

ہے اور جس کو نہ رہائی انس نے اپنی موجودہ درخواست کی بنیاد قرار دیا ہے

”اب رہا وہ دعویٰ جو متوقع القراض ریاست میسوریس برٹش گورنمنٹ

کے ساتھ مساویانہ حصہ لینے کے متعلق نظام نے پیش کیا ہے تو برٹش

گورنمنٹ یہ تسلیم ہی نہیں کرتی کہ عملاً میسوریس نظام کچھ حقوق مسلمہ الاستعاو

کہتے ہیں تاہم سوست یہ کہہ دینا کافی ہے کہ سرسالار جنگ کے پیش کردہ دعاوی ایسے  
 مفرد مقناویات پر قائم کئے گئے ہیں صحیح نہیں ہیں اسلئے ان پر بحث کرنا بالکل غیر ضروری ہے  
 اس طرح یہ معاملہ ہمیں ختم کر دیا گیا۔ وپڑھے سال بعد نواب منخرفت مکان افضل لدو  
 بہادر کا انتقال ہو گیا۔ فروری ۱۸۶۹ء میں نواب میر محبوب علی خان دہرین سال کی  
 عمر میں وارث تخت تاج ہوئے۔ نواب سرسالار جنگ ان کے ایام بابالغی میں مختار  
 ریاست بنائے گئے اور نواب شمس الامرا امیر کبیر کو شریک مختار بنایا گیا، شمس الامرا و  
 سالار جنگ کے خاندان میں پرانی مخالفت تھی۔ لیکن دونوں ریاست کے خیر خواہ  
 تھے اس لئے جہاں تک ریاست کے مفاد کا تعلق تھا دونوں ایک متفقہ پالیسی پر  
 کار بند رہے اور سردار دہر کی طرف دونوں نے اپنی پوری توجہ صرف کی۔  
 ۱۲ فروری ۱۸۶۹ء کے مراسلہ میں گورنمنٹ آف انڈیا نے تقویٰ برار کے  
 معاہدہ میں ترمیم و ترمیم کا دروازہ کھولنے سے صرف اس بنا پر انکار کیا تھا کہ گورنمنٹ  
 کو کنٹریبنٹ کی تنخواہوں کے لئے ایک مستقل ذریعہ آمدنی کی ضرورت تھی۔ اس لئے  
 سرسالار جنگ نے ایک مستقل ذریعہ آمدنی جنیا کرنے ہی کی طرف ساری توجہ  
 منعطف کر دی اور آخر کار اپنی اعلیٰ قابلیت سے انہوں نے ۹ کروڑ روپے کا  
 انتظام کر کے ۹ ستمبر ۱۸۶۹ء کو دوبارہ مسئلہ برار کا افضاح کیا اور گورنمنٹ کو دکھا کہ  
 ہم کنٹریبنٹ کے مصارف کے لئے ۸ ملین پونڈ کی نقد رقم جمع کر دیتے ہیں اور  
 اس طرح وہ مستقل ذریعہ آمدنی گورنمنٹ کے ہاتھ آجاتا ہے جسکی خاطر ملک برا  
 سرکار نظام سے لیا گیا ہے۔ اگر کوئی نیک نیت حکومت ہوتی تو یقیناً اس تجربہ کو  
 منظور کر لیتی۔ کیونکہ ۸ ملین پونڈ کا صرف سود ہی کنٹریبنٹ سالانہ مہمان

۱۳۱

کے لئے کافی تھا۔ لیکن وہاں تو اصل مقصود کنٹریٹ نہ تھی بلکہ برار تھا۔ اس لئے ۲۲ ستمبر ۱۸۶۳ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری نے ریڈیٹنٹ کی معرفت یہ مختصر سا جواب دیدیا کہ اول تو ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۷ء کے معاہدوں کو قائم رکھنا یا بدل دینا تنہا حکومت حیدرآباد کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کے لئے دونوں حکومتوں کی رضامندی درکار ہے۔ دوسرے مذکورہ بالا دونوں معاہدوں کا بنیادی اصول یہ تھا کہ کنٹریٹ کے مصارف کے لئے ارضی ضمانت (Territorial guarantee) ہیا کی جائے۔ چھ سال پہلے تک اپنی معاہدوں کی روح صرف یہ تھی کہ مستقل ذریعہ آمدنی برٹش گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہو مگر جب وہ مستقل ذریعہ آمدنی ہاتھ میں دینے کا بندوبست ہو گیا تو اب اپنی معاہدوں کا بنیادی اصول یہ مقرر ہوا کہ ارضی ضمانت ہیا کی جائے ان حیلوں اور بہانوں کا مطالبہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۷ء کے معاہدوں کا بنیادی اصول محض ملک برار پر انگریزی تسلط تھا اور کنٹریٹ کی حیثیت ستھاری کے جال کے سوا کچھ نہ تھی حکومت کے اس رویہ پر خود انڈین کونسل کے بعض ممتاز ارکان نے سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی اور سر جان کے (Sir John Kaye) نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ جو طرز عمل گورنمنٹ اختیار کر رہی ہے اس نے ہندوستان کی تمام بڑی بڑی ریاستوں کو یہ یقین دلایا ہے کہ جو پالیسی ہم نے اپنی کمزوری کے زمانہ میں اختیار کی تھی اسے اب ہم اپنی طاقتوری کے زمانہ میں بدل رہے ہیں اور آخر میں اس نے لکھا تھا کہ :-

” اس دوش میں سلطنت کے لئے شدید خطرات مضمحل ہیں جن کو میں اپنے

میں سال کے تجربہ کی بنا پر نمایاں دیکھتا ہوں“

لیکن یہ سب تنبیہیں بیکار تھیں حکومت برطانیہ کے ارباب حل و عقد کی  
نگاہ میں ملک برار کی قیمت ان نصح کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔

حکومت ہند کے اس استخاری جواب پر ۲۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو سالار جنگ  
اور شمس الامراء نے رزیڈنٹ کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے حکومت  
کے جواب پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگرچہ سرکارِ نظام  
کسی جائز معاہدہ کی بنا پر ریٹرنٹ رکھنے کی پابندی نہیں ہے تاہم وہ برٹش  
گورنمنٹ کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تیار ہے اور صرف یہ چاہتی ہے کہ  
برٹش گورنمنٹ باہمی اتفاق کے ساتھ اس امر پر غور کرے کہ ”ارضی صفا“  
کے بجائے نقد مالی ضمانت کے قبول کرنے میں کیا قباحت ہے۔

اس مراسلہ کو کلکتہ کے دفترِ سیاسیات نے اس طرح نذرِ تغافل کر دیا  
جیسے کہ وہ وصول ہی نہیں ہوا اور ۱۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو لارڈ سالسبری  
(وزیر ہند) سے یہ مختصر سا فیصلہ حاصل کر لیا کہ اضلاع کی مدتِ تفویض کو متعین  
کرنا تھا حکومت حیدرآباد کے اختیار میں نہیں ہے اور ۱۷ مارچ ۱۹۱۷ء کے معاہدات  
کا اصلی مقصد ارضی ضمانت حاصل کرنا تھا وزیر ہند کا یہ فیصلہ ۱۲ مئی ۱۹۱۷ء  
کو حکومت حیدرآباد کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس کے جواب میں ۶ جولائی ۱۹۱۷ء کو سالار جنگ اور شمس الامراء

۳۳  
 نے ایک اور طویل مراسلہ بھیجا جو ۱۲۴ پیرا گراف پر مشتمل تھا اور اس میں  
 انہوں نے کنٹینٹ کی حقیقت، اس کے قرض کی اصلیت، اور ۱۹۵۳ء  
 کے معاہدہ کی غیر قانونی نوعیت کو واضح کرنے کے بعد گورنمنٹ کو صاف  
 طور پر مطلع کر دیا کہ محض برٹش گورنمنٹ کو خوش رکھنے کے لئے ہم اس  
 کنٹینٹ کو برقرار رکھنے پر رضی تھے اور اس کے مصارف کیلئے ۸ ملین  
 پونڈ کی رقم خطیر پیش کر رہے تھے لیکن اگر ہمارے اس فیاضانہ پیشکش کو  
 رد کیا جاتا ہے تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ  
 کرنل لو کے اس وعدہ پر اپنے مطالبات کو قائم کریں جو ۱۹۵۳ء کے معاہدہ  
 کے وقت انہوں نے حکومت ہند کی جانب سے کیا تھا کہ تفویض صرف  
 اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سرکار نظام کو کنٹینٹ کی ضرورت  
 رہے گی۔ لہذا اب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں کنٹینٹ کی ضرورت نہیں ہے، آپ اسے  
 برطرف کیجئے اور ہمارا ملک ہمیں واپس دیجئے۔

یہ برٹش گورنمنٹ کے فاسبیا حیلوں کا اصلی جواب تھا۔ اور اس جواب  
 کو صبر و سکون کے ساتھ سننا گورنمنٹ کی قوت ضبط سے باہر تھا کلکتہ کے صنعتی  
 خارجہ نے اس مراسلہ کو دبا کر رکھ لیا وزیر ہند کو اس کی خبر تک نہیں کی  
 اور ان سے درخواست کی کہ وہ ایک آخری جواب دیکر اس معاملہ کو ختم  
 کر دیں۔ چنانچہ حکومت ہند کی درخواست پر لارڈ سائبرری نے، اچول  
 ۱۹۵۴ء کو سر سالار جنگ کے مطالبات کا یہ قطععی جواب دیدیا کہ ملک برار

واپس کیا جائے گا اور نہ کنونشن کے لئے مالی ضمانت قبول کی جائے گی۔ یہ  
 جواب سر سالار جنگ کے ۶ جولائی والے خط کے بعد اس کے علم کے بغیر لکھا گیا  
 تھا، اور اس کے جواب میں بالکل بے معنی تھا، لیکن رزولوشن نے اس راز کو  
 چھپانے کے لئے کہ ”یہ قطع فیصلہ“ ۶ جولائی والے خط کو دیکھے بغیر صادر کیا گیا ہے  
 اسے ایک مہینے سے زیادہ عرصہ تک دبائے رکھا، اور ۲۱ اگست ۱۹۴۲ء کو  
 امرائے حیدرآباد کی ایک دعوت کر کے اس میں سر سالار جنگ اور سمس لامراد کو  
 زبانی اس فیصلہ کا خلاصہ سنایا اور صاف الفاظ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اس فیصلہ  
 کے بعد اب میں مسئلہ پر ار کے متعلق کوئی خط حکومت منہد کو بھیجنے کیلئے حوالہ  
 نہیں کروں گا۔ سالار جنگ نے لارڈ سائبرری کے مراسلہ کو اپنی آنکھ سے  
 دیکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر رزولوشن نے انکار کر دیا۔ دوسرے دن  
 سالار جنگ نے سرکاری طور پر وزیر منہد کے مراسلہ کی نقل طلب کی مگر ہر  
 بھی وہی جواب تھا جو زبانی درخواست کا دیا جا چکا تھا سپر سالار جنگ  
 نے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۲ء کو ایک پُر زور خط رزولوشن کے نام لکھا جس میں  
 انہوں نے صاف لکھ دیا کہ

”اس جواب کا مطلب تو یہ ہے کہ سرے سے یہ بحث ہی کرنے سے انکار  
 کیا جا رہا ہے کہ ہائے دعا وی صحیح ہیں یا غلط اور انکی صحت و عدم صحت کا  
 امتحان کئے بغیر ان کو زبردستی دبا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔۔۔  
 سکریٹری آف ایٹریٹ کا فیصلہ جس کو آخری فیصلہ کہا جا رہا ہے، چار

اصلی دعاوی اور وٹائل کو دیکھے بغیر صادر کیا گیا ہے اور دراصل وہ ہمارے

اس خط کا جواب ہے جو ۶ جولائی والے خط سے پہلے بھیجا گیا تھا۔

رزٹڈنٹ نے سر سالار جنگ کے اس خط کو حکومت منہد کے پاس بھیجنے سے انکار کر دیا اور ۲۸ اکتوبر کو اسے ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا کہ وٹائل کی واضح ہدایات یہ ہیں کہ اب میں اس مسئلہ کے متعلق انہیں کوئی مراسلہ نہ بھیجوں۔ سر سالار جنگ نے ۱۵ اکتوبر کو پھر وہی خط رزٹڈنٹ کے پاس بھیجا اور اسے لکھا کہ اس ریاست کی طرف سے جو فرمائش مجھ پر اور میرے رفیق کار پر عائد ہوتے ہیں، وہ ایک ایسے فیصلہ کو ”آخری فیصلہ“ تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتے جو ہمارے دعاوی کے حسن و قبح کو جانچے بغیر بلکہ نفس دعاوی کو دیکھے بغیر صادر کیا گیا ہو دوسرے دن رزٹڈنٹ نے اس مراسلہ کو ایک نہایت خشنماک خط کے ساتھ سر سالار جنگ کے پاس واپس بھیج دیا جس میں لکھا تھا کہ

”اس طرح کا بیہم اصرار پرائیوٹ اور سوشل تعلقات میں بھی ایک لمحہ

کیلئے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اور سرکاری معاملات میں تو اس سے

کوئی اچھا نتیجہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا اس کا راست نتیجہ یہ ہو گا کہ ان عمو

تعلقات پر برا اثر پڑے گا جو نظام کی نابالغی کے زمانہ میں حکومت منہد

آپ سے اور امیر کبیر سے برقرار رکھنا چاہتی ہے۔“

ایک طرف اس طریقہ سے سر سالار جنگ کا منہ بند کیا گیا اور دوسری

طرف انگریزی حکومت نے اپنے اس قدیمی دوست کے اثر کو کم کرنے کے لئے  
 سازش شروع کر دی۔ سر سالار جنگ کو برطانی حکومت کا وفادار دوست  
 اس بنا پر سمجھا جاتا تھا کہ ان سے برطانی حکومت کو یہ امید تھی کہ وہ اپنے  
 ملک اور اپنے آقا کی سلطنت سے غداری کر نیگے مگر جب انہوں نے ایک  
 نمک حلال خادم دولت کی حیثیت سے اپنے آقا کے جائز حقوق طلب کرنے  
 شروع کئے تو وہی سالار جنگ سلطنت برطانیہ کے دشمن ہو گئے۔ اور  
 انگریزی حکومت نے ان کو اس طرح حیدرآباد کی حکومت سے نکال دیا  
 چاہا جس طرح انگلی میں سے پھانس نکال دی جاتی ہے اس غرض کیلئے  
 انگریزی رزیڈنٹ مسٹر سائڈرس نے رزیڈنسی میں امرائے حیدرآباد  
 کو کھانے کی دعوت دی، اس میں ان لوگوں کو خاص طور پر بلایا جو  
 سالار جنگ کے سخت مخالف تھے۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ  
 سالار جنگ اور شمس الامراء کو ان کی ”مازیباً“ حرکات سے باز رکھیں لیکن  
 اس ریشہ دوانی میں مسٹر سائڈرس کو ناکامی ہوئی اور تقریباً تمام اکابر  
 دولت نے اس کو یقین دلا دیا کہ برار کے مسئلہ میں وہ سب مختار الملک  
 اور ان کے رفیق کے موید ہیں۔ یہی واقعہ ہے جس کی طرف سالار جنگ نے  
 اپنے ۲۹ ستمبر ۱۸۴۲ء والے خط میں اشارہ کیا ہے کہ

”ہم یہ گمان بھی نہیں کر سکتے کہ اس ریاست کا کوئی وفادار خادم جو  
 ہماری طرح اس دعوے کی قوت و صداقت کو محسوس کر چکا ہو اور جہاں  
 سی ذمہ داری کا حامل ہو اعلیٰ حضرت کے متعلق اپنے نراض کا احسا

رکھنے کے باوجود ہمیں یہ مشورہ دے گا کہ اس دعوے سے دست بردار

ہونا چاہئے۔

سالار جنگ کو رزٹینٹ کے رویہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ انگریزی حکومت ان سے سخت ناراض ہے، مگر انہوں نے اس ناراضی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی اور اپنے دعوے کو آگے بڑھانے کے لئے یہ غیر معمولی طریق کار اختیار کیا کہ ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو براہ راست وزیر منہد کے پاس اپنے کاغذات بھیج دیے اور انہیں اس سے بھی مطلع کر دیا کہ رزٹینٹ اور حکومت منہد کے کس غیر معقول طرز عمل نے ان کو یہ غیر معمولی طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے لارڈ سائبرری کم از کم اتنے بدتمیز نہ تھے کہ مسٹر سائڈس کی طرح ایک مقتدر ریاست کے وزیر اعظم کے منہ پر ان کاغذات کو کھینچ مارتے۔ انہوں نے معاملہ کی تیز کو سمجھ کر کاغذات رکھ لئے اور حکومت کو ہدایت کی کہ وہ سالار جنگ کے دلائل کا جواب دے اور جھوٹ کے ساتھ اس استدلال کا جواب دے کہ ”صرف مواعید کی بنیاد پر کنٹریٹ کا برقرار رکھنا یا اسے برطرف کر دینا نظام کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ لیکن حکومت منہد کے پاس دلائل کا کچھ جواب نہ تھا۔ وہ غیر متعلق کاغذات بھیج بھیج کر وزیر منہد کا وقت ضائع کرتی رہی اور اصل بنیادی نکات کا جواب دینے سے احتراہ کرتی رہی یہاں تک کہ پورا ایک سال گزر گیا اور سالار جنگ وزیر منہد کی طرف کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار سالار جنگ نے اس قضیہ کو طے کرنے کیلئے تختستان جانے کا

عزم کر لیا اور ۱۹۵۷ء میں وہ ملک کا انتظام اپنے رفیق کے سپرد کر کے خود یورپ روانہ ہو گئے۔ حکومت ہند کے لئے یہ ایک مشکل صورت حال تھی سال ۱۹۵۷ء کو سفر سے روکنا اس کے اختیار میں نہ تھا اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ وزیر ہند کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کر کے اس معاملہ کو طے کر لیں اس لئے اس نے اس مشکل کا یہ حل تلاش کیا کہ سفر انگلستان میں سال ۱۹۵۷ء کو وزیر ہند سے برابر کے متعلق کوئی گفت و شنید نہ کریں اور اس کے عوض رسمی مراسلت کے دروازہ کو کھول دیا جائے جو ۱۹۵۷ء میں رزٹرنٹ نے بند کر دیا تھا چنانچہ اس سمجھوتہ کو قبول کر کے سر سالار جنگ نے انگلستان میں برابر کے متعلق کوئی گفت و شنید نہیں کی اور واپس آ کر دسمبر ۱۹۵۷ء میں اپنے دعاوی اور دلائل کے متعلق ایک مفصل بیان رزٹرنٹ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسے حکومت ہند کے پاس بھیج دے۔ لیکن رزٹرنٹ نے حسب سابق اس ممبریل کو وصول کرنے سے انکار کر دیا۔

جنوری ۱۹۵۷ء کے دربار میں جب سالار جنگ نو اب میر محبوب علی خان مرحوم کو لیکر دہلی گئے تو کلکتہ کے صیغہ خارجیہ سے حکم آیا کہ جب تک سالار جنگ اور شمس الامام اور دونوں اس مضمون کے اقرار نامہ پر دستخط نہ کر دیں کہ وہ حکومت آصفیہ پر دولت برطانیہ کی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں اس وقت تک دربار حیدرآباد کو شاہی اجتماع میں شامل نہ کیا جائے اس کے سوا ہی

لے سر سالار جنگ نے معاہدات کی بنا پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ دولت آصفیہ ایک آزاد و خود مختار ریاست ہے جس پر سلطنت برطانیہ کو حقوقی سیادت حاصل نہیں ہے بلکہ دونوں سلطنتوں کے تعلقات دوستانہ اتحاد پر مبنی ہیں۔ سر سالار جنگ نے دو تین کے تعلقات میں بالملی قانون کے نفاذ پر بھی زور دیا تھا۔

ان سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ دو تین کے مابین نزعی امور میں زیر ہند کے فیصلہ کو قطعی و آخری فیصلہ تسلیم کریں۔ حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے سالار جنگ نے ان دونوں شرطوں کو منظور کر لیا تب جا کر انہیں دربار میں شرکت کی اجازت دی گئی اور ان کے اس میموریل کو قبول کیا گیا جسے ڈسمبر میں واپس کر دیا گیا تھا۔

اس کے چند مہینے بعد اپریل ۱۸۵۷ء میں شمس الامراء امیر کبیر کا انتقال ہو گیا اور سالار جنگ کا زور توڑنے کے لئے انگریزی حکومت کو وہ موقع مل گیا جسکی وہ منتظر تھی سالار جنگ کی خواہش تھی کہ اس شخص سے تنہا ان کے ساتھ مخصوص رہے اور سلطنت کے چاروں معین المہاموں کی ایک اکثرٹی کو نسل بنادی جائے لیکن رزولوشن سر سر چرڈ میڈ

اور وائسرائے لارڈ لٹن کے درمیان کچھ اور ساز باز مہرہا تھا۔ کئی مہینے تک مواد تیار ہوتا رہا اور آخر ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء کو سر چرڈ میڈ نے سالار جنگ کو اطلاع دی کہ وائسرائے نے نواب وقار الامراء کو شریک مختار بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سالار جنگ اور وقار الامراء میں شدید ذاتی عداوت تھی اور وہ ان سے ملکر کام نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے اس فیصلہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اس پر سر چرڈ میڈ میڈیٹھ وائسرائے کے پاس پہنچے اور وہاں سے واپس آکر انہوں نے ایک نیم سرکاری ذریعہ سالار جنگ کو مطلع کیا کہ وائسرائے سے پوری طرح اجازت لے لی گئی ہے۔ اب اگر آپ نے ان کے آخری و قطعی فیصلہ کو قبول نہ کیا

تو آپ کو گرفتار کر کے ایک اسپتال ٹرین کے ذریعہ مدراس بھیج دیا جائے گا۔ اس دھمکی کے بعد فرید متقاومت کرنا سالار جنگ کے لئے ناممکن تھا۔ مجبوراً انہوں نے ”فیصلہ“ کے آگے سر جھکا دیا اور ۲۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو وقار الامرا کو شریک مختار بنا دیا گیا۔

یہ وہی سالار جنگ تھے جنکے متعلق ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء کے مراسلہ میں لارڈ اسٹین نے بحیثیت وزیر ہند یہ حکم دیا تھا کہ ان کا نام خدروفا واروں کی فہرست میں سب سے اوپر رکھا جائے اور یہ وہی سالار جنگ تھے جن کے متعلق ۲۹ مارچ ۱۸۵۸ء کے ایک مراسلہ میں حیدرآباد کے ریڈنٹ کرنل ڈیوڈسن نے لکھا تھا کہ :-

” نظام کے وزیر نے جس بے دریغ مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ حکومت

انگلہشیہ کی امانت کی ہے وہ تعریف و توصیف سے بالاتر ہے.....

ہر خطرہ کے وقت میں ہماری علانیہ امداد کا تہیہ کر لینے سے وہ مسلمانوں

میں سخت غیر مرعوب بلکہ قریب قریب خارج از ملت سے ہو گئے تھے

مگر نہ کسی قسم کی ملائیں اور دہکیاں، اور نہ التجائیں اور راستدعائیں

ان کو اس سچی دفا داری کے راستہ سے ہٹا سکیں جو انہوں نے

اول دن سے اختیار کیا تھا۔ بیسیوں مرتبہ ان کے قتل کی سازشیں

کی گئیں اور مجھے یقین ہے کہ خود ان کو ان سازشوں کا علم تھا مگر

نہ تو جان کا خوف ان کو اپنی جگہ سے ہٹا سکا اور نہ ان اطلاعات نے

۱۴۱  
 انہیں متزلزل کیا جو شمال مغرب سے پہاڑی ٹکستوں کے متعلق یہم موصول  
 ہو رہی تھیں جب کبھی میں نے ان سے مدد طلب کی تو انہوں نے ہی متعلق  
 اور یکدی کے ساتھ اسکو پورا کیا اور حکومت نے نظام کے وسائل جہاں تک  
 ان کے اختیار میں تھے میرے لئے وقف رہے۔“

اس وفاداروں کے وفادار اور سرگرم مددگار کو آج گرفتاری اور جلاوطنی  
 کی دھمکی دی جا رہی تھی اس پر الزام لگایا جا رہا تھا کہ وہ وطنیوں کی سازش  
 میں شریک ہے۔ افغانستان سے ساز باز کر رہا ہے، بغاوت کے لئے فوج  
 تیار کر رہا ہے۔ خفیہ اسلحہ سازی کے سامان فراہم کر رہا ہے۔ انگریزی  
 اخبارات کے کالم اس پر طعن و تشنیع کے لئے وقف تھے۔ اور خود اسٹرائٹس  
 لارڈ لٹن کو بھی یہ کہنے میں تامل نہ تھا کہ اس کے عہد حکومت میں سالار جنگ  
 سب سے بڑا خطرہ تھا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سالار جنگ نے  
 اپنے آقا کے حق نمک کو ادا کرنے کے لئے انگریزی حکومت سے وہ ملک  
 واپس طلب کیا تھا جسے وہ مضم کر چکی تھی۔

چند الفاظ نواب وقار الامراء بہادر کے متعلق بھی کہنے ضروری ہیں  
 جن کو اس موقع پر شریک مختار کے منصب کے لئے سب سے زیادہ ”موزوں“  
 اور قابل شخص قرار دیا جا رہا تھا۔ یہ ستمس الامراء امیر کبیر اول کے صاحبزادے  
 تھے۔ ۱۸۵۹ء میں جب کرنل ڈیوڈسن اور نواب سالار جنگ پر قاتلانہ  
 حملہ ہوا تھا تو ان پر شبہ کیا گیا تھا کہ قاتل کی پشت پر ان کا ہاتھ ہے۔

لے تھارنٹن نے سر رچرڈ میڈ کی سوانحی میں لٹن کے اس خط کا حوالہ دیا ہے۔

۱۸۶۱ء میں ایک اور سازش کے سلسلہ میں ان پر برٹش گورنمنٹ کا  
 حجاب نازل ہوا تھا اور سرکاری درباروں میں ان کا داخلہ تک  
 بند کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۶۹ء کی ایڈمنسٹریشن رپورٹ میں مسٹر سائڈرس  
 رزڈینٹ ان کے متعلق لکھتا ہے کہ :-

” ۸ سال پہلے امیر کبیر کے بھائی نواب وقار الامرا ایک ایسی سازش  
 میں شریک ہونے کے مجرم قرار دیئے گئے جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود  
 اپنے لئے وزارت کا منصب حاصل کریں۔ اس لئے حکومت عالیہ کے احکام  
 کے ماتحت ان کو ہر ایسے پبلک اجتماع کے موقع پر (جس سے خود نظام  
 کا دربار بھی مستثنیٰ نہ تھا) شریک ہونے سے روک دیا گیا جس میں برطانی  
 حکومت کا نمائندہ موجود ہو۔ یہ حکم تراسیاسی اعتبار سے کامل موثر کا  
 ہم معنی تھا۔“

چار پانچ سال پہلے تک جس شخص پر ”سیاسی موت“ طاری رکھی گئی تھی،  
 اور جس کا سرکاری اجتماعات میں داخلہ تک بند تھا۔ اس پر اب عنایات  
 شاہانہ و اللطاف خسروانہ کی بارش ہو رہی تھی اور اس کے متعلق برطانی  
 رزڈینٹ امرائے حیدرآباد کے بھرے مجمع میں کہہ رہا تھا کہ ”وہ ہمیشہ  
 سے برٹش گورنمنٹ اور ہندوستانی نس نظام کی حکومت کے درمیان دوستانہ  
 تعلقات رکھنے کا خواہشمند رہا ہے۔“

اس طرح سالار جنگ کو بے بس کرنے کے بعد ۲۸ مارچ ۱۸۶۵ء کو

۱۲۳  
 لارڈ سائبرسری کی جانب سے سالار جنگ کے اس میموریل کا جواب بھیجا گیا جو انہوں نے جون ۱۸۷۷ء کو بھیجا تھا۔ اس جواب میں کنٹریکٹ کے وجود اور اس کی برطانیہ کے مسئلہ کو سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا کرنل لوکی معرفت سرکار نظام سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس سے بھی کوئی بحث نہیں کی گئی اور تمام دلائل کا صرف یہ جواب دیا گیا کہ:-

”اس وقت ان اسباب اور محرکات کے متعلق تحقیقات کرنا جو ۱۸۵۳ء کا معاہدہ کرنے والوں کے لئے باعث تحریک ہوئے تھے، انصوبل ہے۔ یہ آقا کہ اس پر دستخط کئے گئے یا اور وہ ان لوگوں کیلئے واجب التعمیل ہے جنہوں نے اس پر دستخط کئے، صرف یہی ایک ایسا مادی واقعہ ہے جس سے ہر محضی کو حکومت کو ایک جانب اور نہرانی سن کی حکومت کو دوسری جانب سروکار رکھنا چاہئے۔“

مگر اس کھلی ہوئی صداقت کشی کے باوجود لارڈ سائبرسری سالار جنگ کے مدلل دعوے کو کلیتہً رو کرنے کی جرات نہ کر سکا اور اس نے صرف اس عذر کی بناء پر اس کو رد کیا کہ ”اس قسم کے مسائل کو نظام کی جانب سے چھیڑنا ایسی حالت میں کچھ نامناسب سا ہے جب کہ خود نظام ابھی نابالغ ہیں“ اور اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ کیا کہ اگر نہرانی سن امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ خواہش کرینگے کہ دو تین کے تمام ان معاملات پر جو از روئے معاہدہ طے ہوئے ہیں ایک عام نظر ثانی کی جائے تو برٹش گورنمنٹ نہرانی سن کی اس درخواست پر غور کرے گی۔“

اگرچہ یہ عذر بھی نہایت غیر معقول تھا جب دانی ملک کی نابالغی کے

۱۴۴  
 زمانہ میں مختار ریاست تمام معاملات کا نگران ہوتا ہے تو اس کی  
 جانب سے سیاسی مسائل کو طے کرنے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے  
 خود تاریخ انگلستان میں ریجنسی کے ایسے اہم معاملات طے کرنے  
 کی مثالیں نامور الوجود نہیں ہیں، ایڈورڈ ششم کی نابالغی کے زمانہ  
 میں نہایت اہم قانون کلیا کی تدوین اور ۴ لاکھ کراؤں کے عوض  
 بولون ( Bologne ) کی واپسی، ہنری سوم کی  
 نابالغی کے زمانہ میں میگنا کارٹا کی توثیق اور آخری ریجنسی میں ۱۳۸۱ء  
 کے معاہدہ پیرس کے ذریعے مالٹا، مارشس، سیلون اور جزائر  
 عرب الہند کا انگریزوں کے ہاتھ آنا یہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔  
 جب ایسے ایسے معاملات ریجنسی کے دور حکومت میں طے ہو سکتے تھے  
 تو حیدرآباد کی ریجنسی سے استرداد برار کے مسئلہ کو طے کرنا کیوں  
 نامناسب تھا؟ اہم ہی عنایت ہے کہ لارڈ سائبرس نے لارڈ  
 نارٹھ بروک کی طرح گفت و شنید کا دروازہ بالکل بند  
 نہیں کیا اور خود نظام کے لئے اس کی گنجائش رکھی کہ اس دروازہ  
 کو کھٹکھا سکیں۔

## نواب میر محبوب علی خان مرحوم

نواب سالار جنگ مرحوم سائبرس کا یہ جواب سنکر اس امید پر  
 خاموش ہو گئے تھے کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں کے سن بلوغ کو

پہنچے ہیں بھی اب کچھ زیادہ مدت نہ تھی، ان کو خیال تھا کہ جب حضور تخت نشین ہوں گے تو انگریزی حکومت کے لئے نابالغی کے عذر کی بھی گنجائش نہ رہے گی۔ لیکن قدرت انگریزی حکومت کے لئے مہم کامیابی کے سامان جیسا کئے جا رہی تھی۔ ابھی اعلیٰ حضرت مرحوم کی تخت نشینی میں ایک سال باقی تھا کہ ۱۸۵۷ء میں نواب سالار جنگ کا انتقال ہو گیا اور انگریزی حکومت کے کارندے اس کوشش میں لگ گئے کہ نواب کی تخت نشینی سے پہلے برار کے قضیہ کا ہمیشہ کے لئے قابل اطمینان فیصلہ کر لیا جائے۔ حیدرآباد کے چالاک رزیڈنٹ مسٹر کارڈری ( Cordory ) نے بعض نمک حرام امراء سے ساز باز شروع کر دیا اور ایک عہد نامہ کا مسودہ بھی طیار کر لیا۔ جس پر نوجوان بادشاہ سے دستخط لینے کا ارادہ تھا۔ بلنٹ جو اس زمانہ میں مہندوستان کی سیاحت کرتے ہوئے حیدرآباد آیا تھا۔ اپنی مشہور کتاب مہندوستان بعہد رین ( Ripon ) میں اس سازش کے متعلق لکھتا ہے۔

”ہم نے نہایت آزادی کے ساتھ سیاسی حالت پر نگہگو کی جو یہ تھی چند منہوتوں میں نظام سن بلوغ کو پہنچ جائیں گے اس کیلئے رزیڈنسی کی طرف سے یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ان سے ایک معاہدہ پر دستخط حاصل کئے جائیں جس میں نظام اور حکومت مہند کے درمیان موجودہ اتحاد کی تجدید کے ساتھ ایک فوج اس قسم کی بھی ہے جو تمام پچھلے معاہدوں کو

منسوخ کر دیتی ہے۔ اور اس طرح صوبہ برائے نقل طور پر انگریزوں کے

ہاتھ آجاتا ہے۔ . . . . سید حسین (نواب عماد الملک مرحوم)

یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ مجوزہ معاہدہ کا سودہ رزیدنسی میں تیار رکھا

ان کو اس کی ایک نقل یا اس کا خلاصہ دکھایا گیا ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ

جب نظام سن بلوغ کو پہنچے تو یا تو اس معاہدہ کو ان کی تخت نشینی کے لئے

لازمی شرط کے طور پر پیش کیا جائے گا یا اس سے پہلے ہی اس پر پیشکار

دستخط لے لئے جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ کارروائی قانون کے

مطابق کی جاسکتی ہے کیونکہ کونسل آف ریجنسی کو شاہی اختیارات

مائل ہیں اور کونسل جن لوگوں پر مشتمل ہے ان میں ایک تو ضعیف العمر

اور غیر مستقل پیشکار ہیں دوسرے خود تخت کے امیدوار خورشید جاہ

ہیں اور یہ دونوں رزیدنسی کے اثر میں ہیں۔ تیسرے بشیر الدولہ

ہیں جن کا کوئی خاص رنگ یا مضبوط کیرکٹر نہیں ہے۔ یہ ہے فوجان

سالار جنگ (یعنی میر لائق علی خاں ابن سالار جنگ اول) سودہ

کونسل میں محض سکرٹری کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے کونسل

کے فیصلوں میں ان کی آواز کا کوئی خاص اثر نہیں ہے۔“

بہت ممکن تھا کہ اس سازش کو کسی نتیجہ خیز حد تک پہنچا دیا جاتا، مگر اس وقت

دوستان کا واسطے لارڈ رپن تھا جو نارتھ بروک اور لٹن نے مختلف

یٹ کا آدمی تھا، اس لئے اس کے ماتحت روز روشن میں یہ بے ایمانی

جا سکی اور برار کا مسئلہ مزید بیس سال کے لئے ملتوی ہو گیا۔

۱۴۷  
 اعلیٰ حضرت مرحوم نے سنڈ آرائے سلطنت ہونے کے بعد استرداد برار کے مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور انگریزی حکومت کے ساتھ خایت درجہ کی وفاداری کا اظہار کرتے رہے۔ انہوں نے افغانستان اور مصر کے مسائل میں اپنی فوجی امداد انگریزی حکومت کو پیش کی۔ ۱۸۸۷ء میں جبکہ روس کا خطہ بڑھ رہا تھا تو مرحوم نے سرحد کی حفاظت کے لئے ۶۰ لاکھ روپیہ اور ایک کثیر فوج سے حکومت کی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا کہ اگر ضرورت ہو تو میں نبات خود میدان جنگ میں جاؤں گا۔

اعلیٰ حضرت کی اسی پیشکش سے امپیریل سروس ٹروپس کا تخیل پیدا ہوا۔ ۱۸۹۲ء میں انہوں نے امپیریل گورنمنٹ کی مدد کے لئے ۸۰۰ سواروں کا ایک رسالہ قائم کیا اور دسمبر ۱۹۰۱ء میں برٹش گورنمنٹ سے یہ سمجھو تو کیا کہ جب بھی میدان جنگ میں انکی فوج جائیگی تو وہ انگریزی افواج کے قائد اعلیٰ کے ماتحت بیگی اس وفاداری اور استرداد برار کے حق سے بے اعتنائی کا یہ انعام ملا کہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے خود مسئلہ برار کو چھڑا اور انہی جائز طریقوں سے جو پہلے ڈلہوری اختیار کر چکا تھا، برار کا دوامی پٹہ حاصل کر لیا یہ کارروائی جس طریقہ سے عمل میں لائی گئی اس کی صحیح کیفیت ظاہر کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ۵۰ سال پہلے کے واقعات سے اس کا سلسلہ از سر نو جوڑا جائے۔

## لارڈ کرزن کا دوامی پٹہ

۱۸۵۳ء میں جب تفویض برار کے معاہدہ کی گفتگو کا آغاز کیا گیا تھا تو

۱۴۸  
ابتداءً حکومت برطانیہ کا مطالبہ یہ تھا کہ برار کو ہمیشہ کیلئے اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ ۳ مارچ ۱۸۵۳ء کو لارڈ ڈلہوزی نے مجوزہ معاہدہ کا جو مسودہ کرنل لو کے نام بھیجا تھا اسکی دفعہ ۶ کے الفاظ یہ تھے۔

”مذکورہ بالا حیدرآباد کنٹیننٹ کے مصارف کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے نہرٹائی نس نظام اس معاہدہ کے ذریعہ آئرلینڈ اسٹینڈیا کمپنی کو دوامی طور پر وہ تمام ضلع سپرد اور تفویض کرتے ہیں جن کے نام اس معاہدہ سے منسلک ضمیمہ میں دیئے گئے ہیں۔“

جب یہ مسودہ نواب ناصر الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے سب سے زیادہ جس چیز کی مخالفت کی وہ یہی ”دوامی تفویض“ تھی۔ اسکے خلاف انکی ناراضی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ انگریزی سلطنت کی شدید ہتھیوں کے باوجود اسکو قبول کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کرتے رہے اور انگریزی رزیدنٹ کو یقین ہو گیا کہ اگر اس پر زیادہ زور دیا گیا تو علحدت معاہدہ ہرگز نہیں کریں گے تب اس نے ”دوامی طور پر“ کے الفاظ نکال دیئے اور اس شرط پر معاہدہ کیا کہ جب تک انہیں کنٹیننٹ کی ضرورت رہے گی اس وقت تک برار انگریزی انتظام میں رہے گا۔ کرنل لو اپنے ۴ مئی ۱۸۵۳ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ۔

”میں نے جب دیکھا کہ لفظ ”دواماً“ (Imperpetuity) کے

نظام کی ناراضی اتہاد چہ کو پہنچی ہوئی ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اس لفظ پر زیادہ اصرار کیا تو تمام گفت و شنید ہی ناکام ہو جائیگی تو میں نے یہ اعلان کیا کہ اس سکیم کا یہ حصہ ایسا ہے جس کے متعلق میری حکومت نے

مجھے آزادی دی ہے کہ اگر ضروری ہو تو اسے بدل دوں اور میں نے باضابطہ  
 (Formally) یہ اعلان کر دیا کہ اگر گزرتی نئی حالتیں ہیں یہ ضلع کنٹونمنٹ  
 کی پروسس کی عرض سے محض اس وقت تک کے لئے تفویض کئے جاسکتے ہیں۔  
 تک نہیں سکی یعنی کنٹونمنٹ کی ضرورت رہے اور مزید بات میں نے کہا کہ  
 اگر گزرتی نئی حالتیں سے یہ خواہش ظاہر کریں کہ وہ اس فوج کی ضرورت نہیں ہے  
 تو گورنر جنرل اسکو تیسری مرتبہ تخفیف کر کے کلیتہً برطرف کر دینگے۔۔۔۔ اور جب  
 یہ ساری فوج توڑ دی جائیگی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو نظام  
 ان ضلع کو اپنے انتظام میں واپس لے سکتے ہیں۔

اس طرح تفویض کے محض عارضی ہونے کا اطمینان دلا کہ ۱۸۵۳ء میں برابر پر  
 قبضہ حاصل کیا گیا تھا جب یہ ابتدائی مرحلہ طے ہو گیا تو سات سال بعد اس مقصد کی  
 جانب دوسرا قدم بڑھایا گیا ۱۸۶۱ء میں لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے نواب فضل الدولہ سے  
 خواہش ظاہر کی وہ ملک برابر کو کشمیری ناگپور سے ملحق کرنے کی اجازت دیدیں اور  
 ملک کی آمدنی میں سے منافع کا مطالبہ ترک کر دیں۔ برس سالار جنگ نے اس پر یہ اعتراض  
 کیا کہ اگر ایسا کیا گیا تو تفویض برابر کی بالکل وہی حیثیت ہو جائیگی جو بلاری کے  
 علاقہ کی ہے۔ اور اس طرح "اسحاق" اور "تفویض" میں کچھ فرق نہ رہے گا۔ اس  
 معقول اعتراض کا حکومت ہند کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اس لئے اس نے تحریریں  
 واطلاع سے کام نہ لے کر کوشش کی اور سرکار نظام کو ریزولوشن کی معرفت لکھا کہ۔

”گورنر جنرل باجلاس کونسل ان اضلاع کو کلیتہً نظام کے مقبوضات کا ایک حصہ سمجھتے ہوئے اور برٹش گورنمنٹ کے کسی ضلع میں ان کو ضم کرنے سے احتراز کرتے ہوئے محض انتظامی آسانی اور خرچ کی کفایت کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کنخز ناگپور کی نگرانی میں دیدیں اس طریقہ سے جو ڈیش کنخز کا عہدہ توڑ دیا جاسکے گا۔ اضلاع مغوضہ کے انتظام کے لئے دو سرکار جو جدید آبادی رکھتا ہے اسے بھی موقوف کیا جاسکیگا اور بہت سی تخفیف مصارف سے متعلق اصلاحیں عمل میں لائی جاسکتیگی۔“

لیکن اس ضلع کا بھی حضور نظام پر کچھ اثر نہ ہوا اور جب ان پر زیادہ زور ڈالا گیا تو انہوں نے صاف کہا کہ تم ہمیں ایسے امور کو قبول کرنے پر مجبور کرتے ہو جنکو ہم نہیں چاہتے، اور ملکہ معظمہ کے اعلان کے باوجود تمہاری حکومت ہمارے ساتھ پھرو ہی جا برانہ سلوک کرنا چاہتی ہے جسکی بدولت اس سے پہلے ہم ساہا سال تک مالی مشکلات میں مبتلا رہے ہیں۔ اگر نری حکومت تہیہ کر چکی تھی کہ سر جان سلیم کی پرانی اسکیم کے مطابق برابر ناگپور ساگر اور نربدا کے علاقوں کو ملا کر ایک صوبہ متوسط قائم کرے اور یہاں طے ہو چکا تھا کہ اس جدید صوبہ کا پہلا گورنر حکومت مہند کے مقیم اور خارجہ مشر سیسل بیڈن کو بنایا جائے مگر جب دیکھا کہ نظام اس نقطہ پر اتنی سختی کے ساتھ جے ہوئے ہیں۔ ”تخلیف“ و تہیہ کے بغیر اپنی مرضی و خوشی سے اسکو نہ چھوڑینگے۔ تو حکومت مہند نے

۱۔ مشر بیگ ڈی سیکرری گورنمنٹ آف انڈیا کا مراسلہ مورخہ ۵ ستمبر ۱۸۸۹ء نمبر ۳۸۹  
 صیغہ خارجہ ۱۵۔ کرنل ڈیوڈسن کا مراسلہ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۸۹ء نمبر ۹ صیغہ خارجہ  
 ۱۵۔ ایضاً۔

کسی دوسری فرصت کے لئے اس ارادہ کو ملتوی کر دیا اور بلا واسطہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے بجائے، بالواسطہ حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔

یہ بالواسطہ حصول مقصد کا طریقہ یہ تھا کہ آمد و خرچ کا حساب پیش کرنے کی شرط جو ۱۸۵۳ء میں نکالی گئی تھی، اڑادی گئی اور حکومت کے لئے اس حق کو محفوظ کر لیا گیا کہ وہ برار کی آمدنی میں سے جتنا چاہے خرچ کرے۔ چنانچہ ۱۹ نومبر ۱۸۶۱ء کو حکومت سہد کے سینڈ خارجہ کی جانب سے یہ تصریح کر دی گئی کہ:-

گورنر جنرل باجلاس کونسل اس بات پر راضی ہیں کہ اضلاع مفوضہ کی آمدنی میں سے نظم و نسق کے مصارف اور وہ اخراجات جو اس پر عائد کئے ہیں وضع کر کے جو کچھ رقم بچے وہ سرکار نظام کو ادا کر دے، مگر یہ رضامندی صرف اس مفاہمت پر ہے کہ اس میں برٹش گورنمنٹ کے لئے پھیلاؤ کی زیادہ سے زیادہ گنجائش رکھی جائے گی۔ اور ان اضلاع کے نظم و نسق کے لئے تمام وہ اخراجات جنہیں گورنمنٹ کے عہدہ دار مناسب اور ضروری سمجھیں گے۔ انہیں قبل اس کے کہ کوئی فاضل باقی سکالر کو ادا کیا جائے اس میں وضع کر لیا جائے گا اور سکالر نظام کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر ایک سال آمدنی سے خرچ زیادہ ہونے کے باعث گھٹا آتا تو اسے دوسرے سال کی بچت سے پورا کر لیا جائے گا۔

اس شرط کو سرکار نظام نے طوعاً کرہاً منظور کر لیا اور ۱۸۶۲ء کے معاہدہ کی دفعہ

۱۷ سٹریٹنگ کا مرسلہ نمبر ۵۵۶، سینڈ خارجہ

چہارم میں یہ بات طے کر لی گئی کہ:-  
 ”اخراجات کی مقدار کلیتہً برٹش گورنمنٹ کے اختیار تیزی پر منحصر رہیگی  
 اس شرط کو منظور کر لینے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ برار کے خزانہ سے جہاں تک  
 ممکن ہوگا نظام کو بچت کا ایک میسہ نہ دیا جائیگا۔ معاہدہ طے ہوتے ہی دوسرے  
 سال سے کنٹریبیٹ کے اخراجات تقریباً دو گئے کر دیئے گئے۔ ڈھلوزی کے  
 زمانہ میں سے صرف ۳۸ لاکھ سالانہ خرچ کئے جاتے تھے اب ان کو بڑھا کر ۴  
 لاکھ کر دیا گیا (حالانکہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۱ء کے درمیان ۲۴ لاکھ سے زیادہ نہ تھے)  
 نظم و نسق کے مصارف ۲۵ فی صدی سے بڑھ کر ۳۳ فی صدی ہوئے، پھر ۵  
 فی صدی اور آخر ۵۶ فی صدی تک ان کو پہنچا دیا گیا۔ ۱۷۰۰ مربع میل قبہ  
 اور ۲۸۹۰۰۰ کی آبادی رکھنے والے صوبہ کا عملہ اس زمانہ میں صوبہ مدرس  
 کے برابر تھا جسکی آبادی ۳ کروڑ ۸۲ لاکھ تھی اور جس کے حدود ڈیڑھ لاکھ  
 مربع میل پر محیط تھے۔ اس چھوٹے سے صوبہ کو ۶ اضلاع پر تقسیم کیا گیا تھا اور ہر  
 ضلع میں ایک کلکٹر ۱۵ مددگار اور ۲۰ زائد مددگار رکھے گئے تھے اور اسی  
 نسبت سے دوسرے محکموں میں بھی انتہا درجہ کی دریا دلی کے ساتھ فضول عملہ  
 رکھا گیا تھا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یار و فادار کو اس وقت تک  
 ایک پیسہ نہ ملے جب تک کہ اپنے ملک کو مشنری ناگپور سے ملتی کرتے پر رضی نہ ہو جائے۔  
 برار کی آمدنی ۱۸۶۱ء تک ۳۲ لاکھ تھی دوسرے سال ۴۰ لاکھ ہو گئی۔  
 ۱۸۷۰ء میں ۷۳ لاکھ ہوئی اور ۱۸۹۵ء میں ایک کروڑ تک پہنچ گئی لیکن اتنی

۱۵۳  
حیرت انگیز توفیر کے باوجود ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۷ء تک جو بچت کی رقم سرکار نظام کے لئے نکالی گئی اس کا اوسط ۹ لاکھ سے زیادہ کبھی نہ بڑھا بلکہ ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۸ء کے درمیان تو صرف ۷ لاکھ کا اوسط رہا اور ۱۹۵۹ء میں ایک پائی کی بھی بچت نہ نکالی گئی۔ پھر مزید یہ کہ برار کی آمدنی میں ۵۰ لاکھ کی ایک رقم خلیفہ اتفاقی ضروریات کے لئے محفوظ بھی کر لی گئی، حالانکہ اسے ملک کے اصل مالک کے خزانہ میں پہنچایا جائے تھا۔

۱۹۵۹ء میں جب برار کی نئی جمع بندی ہونے والی تھی اور یہ امید تھی کہ اس میں اس صوبہ کی آمدنی ایک کروڑ ۱۶ لاکھ ہو جائے گی۔ تو یہ تجویز پیش کی گئی کہ کنٹینٹ کے مصارف ۳۵ لاکھ اور نظم و نسق کے مصارف ۵۰ لاکھ رکھ کر سرکار نظام کے لئے ۳۱ لاکھ کی بچت نکالی جائے لیکن اس تجویز کو انگریزی حکومت کے سرکاری حلقوں میں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، اور یہ تجویز جہاں سے نکلی تھی وہیں دفن ہو گئی۔

ان سیم حق تلفیوں پر جب سرکار نظام کی طرف سے سختی کی گئی تو مئی ۱۹۵۹ء میں لارڈ جارج اسپلٹن (وزیر مہندہ) نے اس طرف توجہ کی اور حکومت مہندہ کو لکھا کہ:-

”میں اس صورت حال کو قابل اطمینان نہیں سمجھ سکتا اور یورپ کی حکومت کی حکومت کی خاص توجہ کے لئے اس معاملہ کو بدیں غرض پیش کرنا چاہتا ہوں کہ کفایت شعاری کی ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جو برار کی مالی پوزیشن کو ایسی بنیاد پر قائم کرنے کے لئے قابل عمل پائی جائیں جس سے

نظام کو ادا کرنے کے لئے مخارج پر مدلل کی کافی زیادتی نکل آئے  
اس کے جواب میں حیدرآباد کے رزٹرنٹ نے ایک طویل رپورٹ

بھیجی جس کا خلاصہ یہ ہے :-

”دو نوں حکومتوں کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ ان شرائط پر از سر نو خود  
کیا جائے جن کے تحت برار کا موجودہ انتظام ہو رہا ہے تاکہ نہروٹی نس  
نظام کو ان کے ان صنایع سے جو ہماری تعویض میں اس سے زیادہ باقاعدہ  
اور معین آمدنی دی جائے، جتنی موجودہ معاہدہ کے تحت دیکھائی ممکن ہے  
اس معاملہ میں معاہدہ کی شرائط کی پوری پابندی کی گئی ہے مگر معاہدہ  
خود ہی ایسا ہے کہ نظم و نسق میں کسی کفایت شعاری کا موقع نہیں تھا  
اور زیادہ بچت نکالنے سے روکتا ہے۔ اب تک بڑی سے بڑی رقم  
جو کسی ایک سال میں نہروٹی نس کو دی گئی ہے وہ ۸۸-۸۹ء میں  
۱۹۷۳ء کی رقم تھی چند سال ایسے بھی گذرے ہیں جن میں کوئی  
بچت ہی نہیں نکلی۔ اور سٹائن ۱۸۷۶ء سے ۱۹ء تک قریب قریب  
۹ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم سرکار نظام کو دی گئی ہے زیادہ قریبی زانہ  
میں تو ایسے حالات پیش آ گئے ہیں کہ آئندہ چند سال کے لئے بچت  
نکالنے کا موقع ہی نہیں رہا بہر حال صاف ظاہر ہے کہ چالیس سال سے  
برابریا مست حیدرآباد کے لئے محض ایک غیر معین اور گھٹتی بڑھتی  
آمدنی کا ذریعہ رہا ہے۔ اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس  
صورت حال میں کسی قسم کا تغیر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے“

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر نظامِ منشیہ ۱۸۶۱ء کے معاہدہ کو بدل کر حکومت ہند کی مرضی کے مطابق دوسرے انتظام کرنے پر رضی نہ ہو تو جس طرح چالیس سال سے ان کو غیر متعین اور گھٹتی بڑھتی آمدنی ملتی رہی ہے۔ اسی طرح آئندہ بھی بس ایسی ہی ملتی رہے گی، بلکہ آئندہ اتنی بھی ملنے کی امید نہیں ہے! ایک طرف قحط کے باعث سرکار نظام کی مالی حالت حد درجہ خراب ہو رہی تھی، آمدنی کی کمی اور خرچ کی زیادتی نے اسکو سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا اور اسے ۲ کروڑ کے قریب قرض لینا پڑا تھا دوسری طرف وہ پرانا دوست جسکی مدد کے لئے نواب میر محبوب علی خاں مرحوم نے ۶۰ لاکھ روپیہ کی رقم اپنی رعایا کی اور بوقت ضرورت خود اپنی جسمانی خدمات کے ساتھ پیش کی تھی، ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہارے ملک کے سب سے زیادہ زرخیز صوبہ سے تم کو اس شدید ضرورت کے موقع پر اس وقت تک ایک پیسہ نہ دوں گا جب تک تم میری ان شرائط کو نہ مان لو گے جنہیں تمہارے والد نے چالیس سال پہلے نامنظر کیا تھا اس سے زیادہ احسان شناسی، شرافت اور آدمیت اور کیا ہو سکتی تھی، پہلے ہی اخلاقی نصیحت و دست پر فوجی حملہ کی دھمکی کی صورت میں ظاہر کی گئی تھی۔ اب مانہ بدل چکا تھا اس لئے وہی چیز اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ دوست کو شدید مالی مشکلات میں مبتلا کر کے اپنی شرائط ماننے پر مجبور کیا گیا۔

یہ مانگ حالت تھی جس میں برار کی آمدنی کے مسئلہ کو طے کرنے کیلئے سرکار نظام نے ۱۹۰۱ء میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا جو چند مہینے تک

چلتا رہا۔ آخر ۱۹۰۲ء کے اوائل میں لارڈ کرزن نے خود حیدرآباد جا کر اس کو طے کرنے کا قصد کیا اور ۳۰ مارچ کو اعلیٰ حضرت مرحوم سے وہ تاریخی ملاقات کی جس کا نتیجہ ایک سمجھوتہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سہرا مقصد خود لارڈ کرزن ہی نے اپنے ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء کے ایک مراسلہ میں اس طرح بیان کیا ہے :-

امتداد زمانہ سے یہ (۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۶ء کے) طے کئے ہوئے معاملہ غیر مناسب بھی ہو گئے تھے اور فرسودہ بھی اور اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی نزاعات بھی پیدا کرتے رہتے تھے..... گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب موجود اوقات انتظام کی خرابی یہ تھی کہ معاہدات کے تحت صوبہ کا فوجی و دیوانی نظم و نسق ناقص اور مسرفانہ تھا اور نہ ہائی سنس کی جانب تغیر کی خواہش قابل باقیات کی اس غیر معین اور ناپائیدار حالت سے پیدا ہوئی تھی جسکی بے ضابطگی اور پراگندگی ریاست کے مایات میں بے ثباتی کا افسوسناک عنصر پیدا کر رہی تھی۔“

آگے چل کر لارڈ کرزن کہتا ہے کہ اس عقدہ کا حل اس نے یہ سوچا تھا کہ ان انتظامی دشواریوں کو ایسے طریقے سے دور کیا جائے جس سے ”نہ ہائی سنس نظام کو ان کی مملکت کے اس خطہ سے ایک معین مدنی حاصل ہو سکے اور برار کی ۲۸ لاکھ آبادی کے لئے ان حالات اور مراتب کے استمرار کا اطمینان کر لیا جائے جس سے وہ خوشحالی کے بلند درجہ پر پہنچ گئے ہیں“ ان حالات اور مراتب کا استمرار دوسرے الفاظ میں برٹش

۱۵۶  
 گورنمنٹ کے قبضہ و تصرف کا استمرار تھا۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لارڈ کرزن  
 نے گفت و شنید کا آغاز کیا اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں کے  
 سامنے یہ تجویز پیش کی کہ برٹش گورنمنٹ کا برابر کا دائمی پٹہ اس شرط  
 پر دیدیا جائے کہ وہ جس طرح چاہے اس کا انتظام کرے اور اسکے عوض  
 ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کا مستقل خراج سرکار کو دے اور اول اعلیٰ حضرت  
 مرحوم نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کیا اور برار کی وہی پریزور  
 دیا۔ مگر جب لارڈ کرزن نے انہیں یقین دلادیا کہ برار ہرگز واپس نہ کیا  
 جائیگا اور ۱۸۶۷ء کی شرائط پر قائم رہنے سے وہ برار کی آمدنی کا بھی  
 فائدہ نہ اٹھا سکیں گے تو مجبوراً انہوں نے لارڈ کرزن کی اس تجویز کو  
 قبول کر لیا اور ۵ نومبر ۱۹۰۲ء کو فریقین کے درمیان ایک معاہدہ  
 ہو گیا جس کی دفعات حسب ذیل تھیں :-

دفعہ اول :- ہر ڈائریس نظام جن کے شاہی حقوق اضلاع مفوضہ  
 پر از سر نو تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان اضلاع کو دائمی پٹہ پر برٹش  
 گورنمنٹ کے حوالہ کرتے ہیں۔ جس کے عوض برٹش گورنمنٹ ان کو ۲۵  
 لاکھ روپیہ سالانہ کا معین اور مستقل خراج ادا کریگی۔

دفعہ دوم :- حکومت برطانیہ اضلاع مفوضہ میں اس کھل اور غیر  
 مشترک فیہ و اقتدار کو برقرار رکھتے ہوئے جو اسے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۷ء کے  
 معاہدہ کی رو سے حاصل میں اس میں آزاد ہوگی کہ بلا لحاظ ان ہدایات  
 کی خلاف ورزی کے اضلاع مفوضہ کا ایسے طریقے سے انتظام کرے

۱۵۸  
 جسے وہ پسند کرتی ہو نیز یہ کہ ان افواج کو جو حیدرآباد کی ٹیخٹ کے نام سے قائم  
 ہیں صلح مناسب سمجھے از سر نو تقسیم کرے، تخفیف کرے، تنظیم کرے اور انگریزی  
 کرے، البتہ ۱۸۵۲ء کے معاہدہ کی دفعہ ۳ میں نہ ٹٹی اس کے مقبوضات کی خطا کا پتہ  
 اس نے کیا ہے اسے جیسا کہ واجب ہو پورا کرنے کا بندوبست کرے۔<sup>۱۵</sup>

اس مختصر سے معاہدہ کے ذریعہ لارڈ کرزن نے صرف یہی فائدہ نہیں اٹھایا  
 برابر کا وہی پٹہ حاصل کر لیا جو پچاس سال پہلے باوجود دھکیوں اور جھکیوں  
 ( Objurgations & threats ) حاصل نہ ہو سکا تھا۔ بلکہ برار کو  
 ناگپور کی کھنتری سے ملحق کر کے ایک صوبہ متوسط بنانے کی تمنا بھی پوری کر لی  
 جسے ۱۸۶۷ء میں نواب افضل الدولہ نے رو کر دیا تھا۔ اور حیدرآباد کی ٹیخٹ کو توڑ دینے کا  
 بھی اختیار حاصل کر لیا حالانکہ اسی فوج کی خاطر صوبہ برار سرکار نظام سے حاصل کیا گیا تھا  
 اور اس فوج کو توڑ دینے کے بعد اس صوبہ پر انگریزی قبضہ رہنے کی کوئی معقول  
 کیا معنی نامعقول وجہ بھی نہ تھی ایسے عظیم فوائد کے مقابلہ میں انگریزی حکومت نے  
 صرف ۲۵ لاکھ سالانہ کی رقم پیش کی اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس میں  
 بیس سال تک۔ الاکھ روپیہ سالانہ برار کے قرضوں ( Berar loans )  
 میں اور ایک غیر متعین مدت تک ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ حیدرآباد کے  
 قرضوں ( Hyderabad loan ) میں وضع کیا جاتا رہے گا اور  
 سرکار نظام کو ان کے سب سے زیادہ زر خیز صوبہ سے صرف ساڑھے چھ لاکھ  
 روپیہ سالانہ ملے گا۔ بعد میں سرکار نظام کی درخواست پر اس شرط

۱۵۹  
 میں تھوڑی سی ترمیم ہو گئی جس کے مطابق ایسا انتظام ہو گیا کہ ۲۵ لاکھ کی پوری رقم تیس سال بعد سرکار نظام کو ملنی شروع ہو جائے گی چنانچہ ابھی اس وقت کے آنے میں چند سال باقی ہیں۔

یہ معاہدہ تو بیشک ہوا اور سرکار نظام نے اسکی تصدیق بھی کی، لیکن سوال یہ ہے کہ قانونی حیثیت سے یہ کہاں تک ایک جائز معاہدہ تھا؟ اس کے لئے حسب ذیل امور قابل غور ہیں:-

(۱) اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم برادر کا دوامی بیٹہ لکھنے کیلئے ہرگز تیار نہ تھے۔ جس وقت یہ تجویز ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اور امراء و اعیان سلطنت کی کونسل نے بالاتفاق اس کی مخالفت کی اور ۳۰ مارچ ۱۸۵۷ء کو سب کے مشورہ سے اعلیٰ حضرت مرحوم کی جانب سے ایک خط لارڈ کرزن کے نام لکھا گیا جسے خود مرحوم اپنے ہاتھ سے پیش کر نیوالے تھے۔ اس خط میں لکھا تھا کہ:-

”میں اس پرانے جھگڑے میں نہیں بڑھنا چاہتا کہ استرداد برار کے لئے میرے حقوق کیا ہیں یا اسکے متعلق معاہدات اور دوسرے سرکاری غبورو موثبات کے معنی کیا ہیں میں پوسے بھروسہ کے ساتھ ان معاہدات کو یور کولونسی کی توجہ سے کریمانہ و شفقتانہ پر چھوڑتا ہوں۔ میں آپ کے توسط سے نہر مجھی شہنشاہ معظم کی خدمت میں صرف یہ گزارش کروں گا کہ وہ لطف و کرم کی ایک خاص عطا کے طور پر برار واپس کر دیں اور میں یہ اجازت چاہوں گا کہ یور لارڈ کو اس کو اس معاملہ میں اپنا وکیل بناؤں۔ میں پورا یقین رکھتا ہوں اور مجھے

۱۶۰  
 کامل بھروسہ ہے کہ میری یہ گزارش نہ بھجی کی تلخ پوشی کے مبارک موقع  
 پر رائیگاں نہ جائیگی۔“

(۲) اعلیٰ حضرت مرحوم اپنے اس مطالبہ سے ہشکر دو امی بیٹہ کی تجویز کو  
 قبول کرنے پر صرف اس وقت راضی ہوئے جب لارڈ کرزن نے انکو پورے  
 زور کے ساتھ یہ یقین دلادیا کہ پچھلے معاہدات کی رو سے انکو برار کی واپسی کا  
 مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایسا کرینگے بھی تو اسے ہرگز نہ قبول  
 کیا جائیگا۔ معاہدہ کی گفت و شنید کے متعلق لارڈ کرزن نے جو نوٹ لکھا تھا  
 اس میں وہ خود کہتا ہے:-

”میں جب سنا کہ ایسی صریح فائدہ مند شرائط نہ ہائی نس کو پسند نہیں آئیں تو  
 مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ اگر ان شرائط کو رد کر دیا گیا تو حکومت ہند پھر موجودہ  
 پوزیشن کی طرف رجوع کریگی جس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہے اور جس میں ہم  
 پچاس سال سے نسبت بہت کم مالی معاوضہ دیکر اس شے سے استفادہ کر رہے  
 ہیں جو دراصل مقصود بالذات ہے اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی جسکی  
 بنیاد پر مجھے موجودہ تجاویز کے ناکام ہونے پر افسوس کرنا چاہئے۔ اگر  
 ان کو رد کر دیا گیا تو یہ حد درجہ غیر متوقع ہے کہ میرے بعد آنے والا کوئی  
 وائسرائے اس سوال کو دوبارہ چھیڑے گا یا برطانیہ کی کوئی حکومت اپنی بات  
 کو دوبارہ رد کرنا پسند کریگی۔ اسلئے نہ ہائی نس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے  
 کہ نصفیہ کا جو موقع اب ان کو دیا جا رہا ہے اس کے دوبارہ پیش کئے جانے  
 کی توقع نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ایسی صورت میں معاملات کی موجودہ ترتیب

ہی ایک دائمی صورت اختیار کرے گی۔

”مگر انہوں نے (یعنی نظام نے) یہ معلوم کرنے کی خواہش کی کہ آیا جدید تصفیہ میں انہیں آزادی باقی رہے گی کہ آئندہ کسی وقت وہ برار کی واپسی کا مطالبہ کریں؟ اس کا جواب میں یہ دیا کہ اگر برار دائمی پٹہ پر برٹش گورنمنٹ کو دیدیا گیا تو تو نہ ہائی لنس کیلئے ایسی کوئی درست سمرنے کا موقع نہ رہے گا کیونکہ اس وقت صوبہ کی قسمت فیصلہ ہو چکی ہے یہ کہ ذریعہ ہو چکا ہوگا۔ پھر نہ ہائی لنس پوچھا کہ آیا موجودہ حالات میں اس کا کوئی امکان ہے کہ برار کو واپس دیا جاسکے؟ میں نے جواب دیا کہ معاہدہ میں ایسی کوئی چیز

نہیں ہے جس سے استرداد برار کا تصور کیا جاسکے یا جس سے حیدرآباد کو استرداد کا کوئی حق پہنچتا ہو..... برٹش گورنمنٹ کے لئے مجوزہ شرائط کا بدلہ اسکے

سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان دائمی تفویض پر قائم ہے جو پہلے ہی سے از روئے معاہدات اس کو حاصل ہے۔ تب نہ ہائی لنس نے کہا کہ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے برار واپس ملنے کا اب کوئی امکان نہیں ہے لہذا مجھے مجوزہ دو دائمی پٹہ لکھ دینے میں کوئی تامل نہیں ہے کیونکہ وہ ریاست کے مفاد کیلئے زیادہ اچھا ہے

اب تک میں اس کو صرف اسلئے نامعلوم کر رہا تھا کہ میں یہ نہیں سمجھا تھا کہ آئندہ

مجھے برار واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔“

خود اعلیٰ حضرت مرحوم نے بھی اس ملاقات کی کیفیت لکھتے ہوئے اپنے

نوٹ میں صاف لکھا ہے کہ ۲۔

”والٹر نے مجھ سے دوبارہ سہارہ کہا کہ برار کبھی واپس نہیں دیا جاسکتا نہ راکسٹسی نے کہا کہ میں یورپ کی لنس کو کسی غلط امید میں نہیں رکھنا چاہتا

۶۲  
 میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ محض میری ہی نہیں بلکہ تمام ڈائریلوں  
 کی جو میرے بعد آئیں گے یہی پالیسی ہوگی، اور انگلستان میں بھی حکومت کی یہی پالیسی  
 ہوگی جو کہ برابر کبھی کسی زمانہ میں اپن کیا جائے۔ ڈائریلوں کی باتوں سے یہ ظاہر  
 ہوتا ہے کہ چونکہ گذشتہ ۲۵ سال کے درمیان برار کی واپسی کے متعلق کوئی گفتگو  
 نہیں کی گئی اس لئے اب یہ ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اسے واپس حاصل کر سکیں  
 اور اب ہمیں اسکی واپسی کی کوئی امید نہ کرنی چاہئے نہ کہ اسلٹی نے بیان کیا کہ  
 اگر موجودہ صورت حال برقرار رکھی گئی تو اس سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل  
 نہ ہوگا، جب برار کو واپس کرنا ناممکن ہے تو موجودہ حالت کو برقرار رکھنا  
 خلاف عقل ہے اس سے بہتر ہے کہ اس کو پٹہ پر دیا جائے اور اسکے عوض  
 سال بہ سال روپیہ لے لیا جائے۔ تاہم میں نے کوشش کی جہاں تک  
 میں کر سکتا تھا کہ واپسی پر اصرار کر دوں مگر ڈائریلوں کے جوابوں کا اندازہ کھلے  
 مجھے یقین ہو گیا کہ وہ سبکو برار واپس نہیں دینگے۔ یہ پھیلی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ  
 آج ہم کو اس صوبہ سے ہاتھ دھونا پڑا، اسوقت میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ  
 اگر یہ صورت ہے تو اسے پٹہ پر لے لیجئے۔

فریقین کے ان بیانات کو پڑھ لینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ڈائریلوں  
 نے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۷ء کے معاہدات کی یہ تعبیر کی کہ ان سے برٹش گورنمنٹ کو  
 برار کی دوامی تفویض ) Perpetual assignment

سے حاصل ہے اور نظام کا حق استرداد ان معاہدات کی رو سے کلیتہً زائل ہو چکا  
 ہے اور ڈائریلوں سابقہ معاہدات کی تعبیر کر کے اعلیٰ حضرت مرحوم کو یہ قطع یقین نہ

۱۶۳  
 ولادیتیا کہ برار کے واپس دیئے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے تو خود اُسٹری  
 کے اپنے اعتراف کے مطابق اعلیٰ حضرت مرحوم دوامی پٹہ کو ہرگز قبول نہ کرتے؛  
 (۳۱) سابقہ معاہدات اور حکومت برطانیہ کی سرکاری تصریحات کو دیکھتے ہوئے  
 یہ امر بالکل یقینی ہے کہ وائسرائے کی یہ تعبیر بالکل غلط اور سراسر خلاف واقعہ تھی۔  
 تفویض برار کے پہلے معاہدہ کے وقت حکومت ہند کے ویل مختار کرنل لونے  
 نواب ناصر الدولہ مرحوم کو یہ یقین دلایا تھا کہ :-

”اگر نہ ہائی نس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع کنٹینٹ کی پرورش کی غرض سے  
 محض اس وقت تک کے لئے تفویض کئے جاسکتے ہیں جب تک کہ انہیں اسکی ضرورت  
 ہے۔۔۔۔۔۔ جب (نہ ہائی نس کے خواہش کرتے پر) یہ ساری فوج توڑ دی  
 جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو نظام ان اضلاع کو اپنے  
 انتظام میں واپس لے سکتے ہیں۔“

اس کے بعد ۵ ستمبر ۱۸۶۱ء کو حکومت ہند کی جانب سے یہ یقین دلایا گیا کہ  
 ”مفوضہ اضلاع کے ایک حصہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے سے حکومت ہند کا  
 مقصد صرف یہ ہے کہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ششم کی شرائط کو پورا  
 کرنے کیلئے وہ ایک مادی ضمانت اپنے پاس رکھے گوئرنٹ آف انڈیا نے  
 جس طرح اب تک تمام اضلاع مفوضہ کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اسی طرح اب بھی  
 وہ اس علاقہ کو اپنی ملکیت میں نہیں بلکہ نہ ہائی نس کی طرف سونپنی ”امانت“  
 میں (In trust) صرف اس وقت تک کیلئے رکھنا چاہتی ہے جب تک

لے دیکھو کرنل کوکامرسلہ موضع مہرئی ۱۸۵۳ء نمبر ۱، صفحہ خارجہ

کنٹریجٹ رکھی جائے اس سے زیادہ عرصہ کے لئے وہ نہیں رکھنا چاہتی...  
 ..... اور یہ واقعہ ہے کہ نہر ٹائیٹس کے مقبوضات کے اس حصہ کا انتقال  
 محض عارضی (Temporary only) ہے..... جب کبھی اضلاع بحر  
 نظام کو واپس کئے جائیں گے تو نہر ٹائیٹس ان تمام فوائد سے متمتع ہو سکیں گے جو برطانوی  
 افروں کے زیر انتظام رہنے کے زمانہ کی ترقیات سے مل سکتے ہیں۔ یہ کہ آئندہ پیدا ہو گا۔  
 اس کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۸۶۱ء کو دو نوں سلطنتوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا  
 اس کی دفعہ ۶ میں بصراحت یہ لکھا گیا تھا کہ

”اضلاع واقع برار جو پہلے ہی معاہدہ ۱۸۵۳ء کے ماتحت برٹش گورنمنٹ کو  
 تفویض کئے جا چکے ہیں موانعہ لعلقہ جات فرخاص کے جو ان میں واقع ہیں  
 اور موانعہ خرید اضلاع متعلقہ کے جو بحالت موجودہ ۳۲ لاکھ روپیہ حکومت  
 برطانیہ کی سالانہ آمدنی دینے کے لئے کافی ہوں۔ برٹش گورنمنٹ کے پاس  
 امانت میں (In trust) ہیں گئے تاکہ ان سے خرید آباد کنٹریجٹ  
 کی تنخواہیں اور پادیسائی کی چوتھے ہمسیت رام کے خاندان کا سالانہ اوچند دوسری  
 پنشنیں جھکا ذکر عہدہ نامہ مذکور کی دفعہ ششم میں کیا گیا ہے اور اس میں  
 اس کے بعد ۵ جنوری ۱۸۶۱ء کو لارڈ کیننگ (وائسرائے) نے سرچارلس  
 (وزیر ہند) کو جو رسلہ بھیجا تھا اس میں وہ ۱۸۶۱ء کے معاہدہ کی تشریح  
 الفاظ میں کرتا ہے۔

دیکھو ٹریگ ٹی سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا نمبر ۳۸۸۹ صیغہ خارجہ

”نظام کو بتایا گیا کہ حکومت ہند اضلاع مضمونہ کو اپنی ملکیت میں نہیں بلکہ اپنی ”امانت“ میں رکھنا چاہتی ہے اور صرف اس وقت تک رکھنا چاہتی ہے جب تک کہ کنٹینٹ دکھی جائے نہ کہ اس سے زیادہ..... ان سے کہا گیا کہ اضلاع برابر اب بھی نہ ہائی انس کے مقبوضات کا ایک غیر منفک جز ہیں۔ اور وہ ان کو اس وقت بہ تاجہاد پس کر دیئے جائیں گے جب دونوں حکومتوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ اس قراردادوں کو بدل دیں جنکے تحت کنٹینٹ رکھی گئی ہے۔“

اس کے بعد سرسار لار جنک کے سپہم مطالبات کے جواب میں ۲۸ مارچ ۱۸۶۸ء کو ”جو آخری اور قطعی“ فیصلہ لارڈ سائبرری نے وزیر ہند ہونے کی حیثیت سے صادر کیا تھا، اس میں بھی یہ تصریح موجود تھی کہ:-

”یہ بالکل ظاہر ہے کہ معاہدہ میں برابر کو قطعی طور پر حوالہ نہیں کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ڈی ہوری ایسا ہی انتظام چاہتے تھے مگر اس پر نظام کو ایسے اعتراضات تھے جنکو انکے ذہن سے دور نہیں کیا جاسکتا تھا اور اسے قبول کرنے پر نہیں مجبور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اگر تفویض قطعی ہوتی تو ملکیت بہ تاجہا تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہو جاتی مگر کوئی انتقال ملکیت وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ یہ علاقہ نظام کے مقبوضات میں اسی طرح شامل با سطح معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے تھا..... اگر نہ ہائی انس (جو اس وقت تک سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے) امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ جو اس کرینگے کہ ان تمام معاملات پر جو دو تین کے درمیان از روئے معاہدہ

۱۶۶  
 ملے ہوئے ہیں ایک عام نظر ثانی کی جائے تو برٹش گورنمنٹ نے ہوا کی اس  
 کی اس درخواست پر غور کرے گی۔

یہ تمام سرکاری تحریرات اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ برار کی تفویض "دی"  
 ( Perpetual ) نہیں تھی جیسا کہ لارڈ کوزن نے اسکو ۱۹۰۲ء میں ظاہر  
 کیا بلکہ "عارضی" ( Temporary ) تھی جیسا کہ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۵ء  
 تک ریڈینٹ سے لیکر وزیر منہ تک تمام ذمہ دار افسران متعلق اظہار و اعلان  
 کرتے رہے تھے یہ دستاویزات لارڈ کوزن کی اس تعبیر کو بھی بالکل غلط ثابت  
 کرتی ہیں کہ "معاهدات میں حضور نظام کے لئے اسٹرواڈ برار کا کوئی حق محفوظ نہیں  
 رکھا گیا ہے" برعکس اس کے خود وہ دائرے جس نے ۱۹۶۷ء کا معاہدہ ملے  
 کیا تھا اپنے معاہدہ کی یہ تعبیر کرتا ہے کہ برار کی تفویض ایک "Trust"  
 کے طور پر تھی اور کنٹریٹ کی برطرفی کے بعد اسکو ایک لٹو کیلئے بھی باقی نہیں رہتا  
 تھا لارڈ کوزن نے معاهدات کی یہ تعبیر کی کہ ان کے ماتحت صرف دو ہی صورتوں  
 پر عمل کیا جاسکتا تھا ایک یہ کہ برار کا وہ امی پٹ لکھا جاتا اور دوسرے یہ کہ  
 تفویض کی موجود الوقت صورت کو دو انا جاری رکھا جاتا۔ اس کے سوا تیسری  
 صورت کو اس نے ناممکن قرار دیا۔ حالانکہ کرنل لو اور لارڈ کیننگ جو ۱۹۵۳ء  
 اور ۱۹۶۷ء کے معاہدوں کے اصلی بانی تھے انہوں نے صراحت کیا تھا تیسری  
 صورت یعنی برار کی واپسی کا نہ صرف امکان ظاہر کیا تھا بلکہ اگلے نزدیک عارضی  
 تفویض کو برار کی واپسی ہی پر ختم ہونا چاہیے تھا اس معاملہ میں لارڈ کوزن نے ۱۹۶۷ء  
 کے معاہدہ کی بھی کھلی ہوئی معنوی تشریح کی جس کے اندر باغاط صریح یہ لکھا تھا کہ

برار کی تفویض امانت“ (Trust) کے طور پر ہے اور لارڈ سائبرجی صریح وعدہ کو بھی پس پشت ڈال دیا جس میں سرکار نظام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں جب سن بلوغ کو پہنچ کر بذات خود عثمان حکومت اپنے ہاتھ میں لیں گے تو انہیں برار کی واپسی کے مسئلہ کو از سر نو چھیڑنے کا حق ہوگا۔ ان تمام سرکاری شہادتوں کے خلاف لارڈ کورن نے معاہدات کی غلط تعبیر کر کے اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کو صریح دھوکا دیا اور ایک غلط اور ناجائز اثر ڈال کر انہیں دوامی بیٹہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔

(۴) تفویض برار کی اصلی علت یہ تھی کہ کنٹینجٹ کی پروسس کے لئے برٹش

گورنمنٹ کو قبول لارڈ کیننگ کے ایک مادی ضمانت (Material

guarantee) اور قبول سائبرجی کے ایک اضمی ضمانت (Territorial

guarantee) کی ضرورت تھی، اول اول جب اس کا مطالبہ کیا گیا تھا تو یہی کہا گیا تھا کہ چونکہ کنٹینجٹ کی تنخواہیں ٹھیک وقت پر باقاعدگی کے ساتھ نہیں ملتی اس لئے ہمارے ہاتھ میں ایک مستقل ذریعہ آمدنی (Permanent

Source of Income) ایسا رہنا چاہئے جس سے ہم اس ذمہ داری کو ادا

کر سکیں چنانچہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۷ء کی دفعات نمبر ۶ میں اس تفویض کی اصلی غرض

اسی کو بیان کیا گیا تھا اور دونوں معاہدات کی ترتیب کے وقت یہ یقین

دلایا گیا تھا کہ جب کنٹینجٹ کی ضرورت باقی نہ رہے گی تو تفویض منسوخ ہو کر

ملک کے اصلی مالک کو واپس کر دیا جائیگا۔ کرنل لونے ۱۸۵۳ء میں کہا تھا کہ:-

”جب یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی تدمر

ہوگی تو نظام ان اضلاع کو لے سکتے ہیں۔

۱۶۸  
سنہ ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے کہا تھا کہ ۲۔

”وہ (یعنی اضلاع برار) نظام کو اس وقت بہت اچھا واپس کر دینے

جائیں گے جب دونوں حکومتوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ ان

قراردادوں کو بدل دیں جن کے ماتحت کنٹینٹ رکھی گئی ہے“

ان سرکاری تصریحات کے مطابق یہ ضروری تھا کہ جب کنٹینٹ کے

برطرف کر دینے پر دونوں حکومتوں کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ ملک

کنٹینٹ کی تنخواہوں کے لئے لیا گیا تھا واپس کر دیا جاتا، لیکن لارڈ کرزن

نے معاہدات کے اسپرٹ اور الفاظ دونوں کے خلاف یہ کیا کہ جب دونوں

سلطنتوں کے درمیان کنٹینٹ کے برطرف کرنے پر اتفاق ہو گیا تو کنٹینٹ

کو توڑ دیا، مگر ملک کو جو کنٹینٹ کی خاطر ضمانت“ میں لیا گیا تھا واپس

کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ لارڈ کرزن خود اپنے نوٹ میں لکھتا ہے کہ ۲۔

”حیدرآباد کنٹینٹ جیسی کہ وہ اس وقت معاہدات کے ماتحت قائم ہے

ایک فضول خرچ اور ناقابل اطمینان شے ہے حیدرآباد کے علاقہ میں جو

فوجیں مقیم ہیں وہ جدید ضروریات سے بالکل رائے میں اور ان کا اس

نام سے باقی مہانتہائی من کیلئے نفرت انگیز بھی ہے اور بے موقع بھی“

۹۰ برس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ کنٹینٹ کو ”فضول خرچ“ ناقابل اطمینان“

”زائد از ضرورت“، ”نفرت انگیز“ اور ”بے موقع“ تسلیم کیا گیا اور اس کے توڑ دینے پر

سرکار نظام اور سرکار انگریزی کے درمیان اتفاق رائے ہو گیا اس اتفاق رائے

۱۶۹ سے اضلاع برار کو بہت ماہا واپس لرونیے کیلئے وہ شرط پوری ہو چکی تھی جو ۱۸۶۷ء میں لارڈ کیننگ نے مقرر کی تھی، مگر لارڈ کرزن نے عقل، منطق، معاہدات اور مواعید سب کے خلاف علت کو فوت کرنے کے بعد بھی محلول کو برقرار رکھا اور کینیڈٹ کو توڑ دینے کے باوجود ملک اپنے قبضہ میں رکھنے پر اصرار کیا حالانکہ اب سرکار نظام کی طرف سے انگریزی حکومت پر کوئی ایسی ذمہ داری باقی نہ تھی جس کو ادا کرنے کے لئے کل لاکھ ورس کا تیسرا حصہ اس کو دینے کی ضرورت باقی رہتی۔

یہ امور ایسے ہیں کہ جن کی بنیاد پر ۱۹۰۲ء کا یہ معاہدہ قطعاً اجازت قرار پاتا ہے اور اسکی حیثیت اسکے سوا کچھ نہیں رہتی کہ سلطنت برطانیہ کے وائسرائے نے اپنے وفادار دوست کو دھوکہ دیکر اور غلط باتیں باور کرا کے لاطینی کی کتاب میں ایسی دستاویز پر دستخط حاصل کر لئے جس پر خود وائسرائے کے اپنے ائمہ نے اپنے مطابق وہ ہرگز دستخط نہ کرتا اگر اس کو معاہدات کے اصلی معانی سے باخبر ہو دیا جاتا، لارڈ کرزن نے قصداً اعلیٰ حضرت مرحوم سے تنہائی میں یہ معاملہ طے کیا مدارالمہام یا کسی اور وائف کار و معاملہ فہم مشیر تک کو ساتھ رکھنے کی اجازت نہ دی اور ان کو ناواقفیت میں بزور پُراصرار غلط باتوں کا یقین دلا کر ان کے آبائی ملک کا سب سے زیادہ زرخیر حصہ ہمیشہ کے لئے ان سے حاصل کر لیا۔

یہ سلوک تھا سلطنت برطانیہ کا اپنے اس دوست کے ساتھ جس نے چند سال پہلے جوش و فدا داری میں ۶۰ لاکھ روپیہ اسکی اعانتہ کیلئے پیش کیا تھا ممکن ہو کہ وفاداری کی قد شنائی کا یہی دو طریقہ ہو جس پر برطانی تو مخر کر رہی ہے

## ۱۷۰ اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخان بہادر کا دؤ

۱۹۱۱ء میں اعلیٰ حضرت میر محبوب علیخان مرحوم کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ فرما کر نواسے حال اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخان بہادر مسند آرائے سلطنت ہوئے۔ آپ کے زام امور ہاتھ میں لینے کے تین ہی سال بعد وہ جنگ عظیم برپا ہوئی کہ جس میں انگریزی حکومت کیلئے زندگی اور موت کا سوال درمیش ہو گیا! سن نازل وقت میں مسلمانوں کیلئے سلطنت برطانیہ کا وفادار رہنا سب سے زیادہ مشکل تھا، کیونکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت جس کے بادشاہ کو تمام مسلمان اپنا امام سمجھتے تھے برطانیہ کے خلاف برسر پیکار تھی اور وہ مالک اعمال جنگ کی زد میں تھے جن کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان کا جزا ایمان تھی لیکن اس موقع پر اعلیٰ حضرت شیخان علیخان بہادر نے سلطنت برطانیہ کے ساتھ وہ وفاداری برتی جو اس سلطنت کے تمام دوستوں کی وفاداری سے زیادہ قیمتی اور خود اعلیٰ حضرت کے پیشرووں کی وفاداریوں پر بھی فائق تھی۔

ایک طرف حضورِ مجدد نے اپنے اس خلاق اور روحانی اثر کو استعمال کیا جو انہیں تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر حاصل تھا، اور مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ تلقین کی کہ وہ سلطنت برطانیہ کے مواعید پر بھروسہ کر کے اسکی وفاداری پر ثابت قدم رہیں یہ خلاق امداد اس قدر ثوابت ہوئی کہ خود انگریزی سلطنت کے ارباب صل و عقد کو اعتراف ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جن اثرات کے تحت جنگ میں سلطنت کی امداد کی ان میں سب سے زیادہ حصہ اعلیٰ حضرت

نظام دکن کا تھا۔

دوسری طرف اعلیٰ حضرت نے اپنی سلطنت کے تمام ذرائع دولت برطانیہ کیلئے وقف کر دیئے اس سلسلہ میں انہوں نے جو خالص مالی امداد دی اسکی کیفیت ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتی ہے۔

۱۲۶۰۰۰۰۰	قرضہ جنگ میں
۱۸۲۰۹۶۰۰	تعمیل جنگ کے لئے بطور امداد
۱۲۴۰۰۰۰۰	بیسویں دکن ہارس اور امپیریل سروس ٹروپس کے مصارف بحساب لاکھ روپیہ ہا
۱۵۰۰۰۰۰	جنگ کو اختتام تک پہنچانے کے لئے خاص عطیہ
۱۵۰۰۰۰۰	سخت ابھر کشتیوں کی مدافعت کے لئے
۳۷۵۰۰۰	شاہ و ملکہ کے ازدواج کی ۲۵ سالہ یادگار کے موقع پر
۱۰۰۰۰۰۰	پرنس آف ویلز رطیف فنڈ
۱۰۰۰۰۰۰	امپیریل رطیف فنڈ
۱۳۴۶۰۰	متفرق اعانتیں

اس کے علاوہ دوران جنگ میں سرکار عالی کے تمام کارخانے سامان حرب کی طیاری کے لئے وقف رہے اور چار سال کی مدت میں انہوں نے ۹ لاکھ روپیہ سامان سلطنت برطانیہ کیلئے ہمیا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی غرور رعایا کو نہراؤں کی تعداد میں بھرتی کر کے میدان جنگ میں جانیں قربان کرنے کیلئے بھیجا، انفا جنگ سے اختتام تک دولت آصفیہ کی باضابطہ فوج جنگ کی عملی خدمات انجام

۱۷۲  
 دیتی رہی اور اس کا خرچ سرکار نظام کے اپنے خزانہ سے دیا۔ حکومت مہند کی شدید  
 مالی مشکلات کے زمانہ میں ۵ لاکھ روپے کی چاندی کی اینٹیں مستعد دیکر اسکی  
 مالی سالاہ کو بحال کیا اور اسی طرح کی پیش قیمت اور مخلصانہ اعانتوں کا سلسلہ  
 برابر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب اسی ہی دوستانہ اعانتوں  
 کی بدولت یہ سخت وقت سلطنت برطانیہ سے ٹل گیا جس میں اس کا برباد ہو جانا  
 کچھ مستبعد نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کو ان کے ان گراں قدر احسانات کا بدلہ  
 کیا ملا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ جہاں تک باقی جمع خرچ کا تعلق ہے بہت دل کھول کر  
 احسان شناسی و اعتراف جمل کا ثبوت دیا گیا۔ اعلیٰ حضرت کو ”ہزاکر الٹڈ ایٹس“  
 کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔ ”ہنس“ یا ”رفادہ سلطنت برطانیہ“

Faithful Ally of the British Govt., اس کا لقب عطا کیا گیا۔  
 شہنشاہ معظم سے لیکر ولی عہد و ائسٹس اور رزیڈنٹ تک سب سے متعدد مرتبہ  
 ان کو بیش بہا خدات پر تحسین و انیس کے پھول برسائے لیکن جب عملی احسان  
 شناسی کا وقت آیا تو سلطنت برطانیہ کا وہ ایک سرفرمو بھی اسکی روایات  
 قدیمہ کے خلاف نہ نکلا۔

## اعلیٰ حضرت کا مطالبہ استرداد برآر

جنگ عظیم کے کامیاب اختتام کے بعد ہی ہندوستان میں ستیاگرہ، غدار  
 اور ترک موالات کی تحریکیں شروع ہوئیں جنہوں نے کچھ عرصہ کیلئے عظیم الشان

برٹش انڈین امپائر کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا، ان باریک اور پیچیدہ سیاسی حالات میں اعلیٰ حضرت نے اپنے حقوق طلب کر کے سلطنت برطانیہ کی پریشانیوں مزید اضافہ کرنا اپنی خاندانی شرافت کے خلاف سمجھا اور صرف یہی نہیں کہ حق طلبی سے محترز رہے بلکہ ان ڈینی و اسلامی تحریکات میں بھی سلطنت برطانیہ کو خلافتی امداد دیتے رہے اور اپنی ریاست میں تحریک خلافت تک کو بند کر دیا جسکی بدولت اعلیٰ حضرت کے متعلق ان کی ملت میں شدید بدگمانیاں پھیل گئیں۔

آخر جب یہ ہنگامہ واضطراب کا دور ختم ہوا اور برٹش گورنمنٹ تمام مذکورہ دبیرونی مشکلات سے نجات پا کر نسبتاً پرسکون حالت میں ہو گئی۔ تو اعلیٰ حضرت میر عثمان علیجاں بہادر نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے کھوئے ہوئے صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ اس غرض کیلئے ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو حضور مدوح نے لاڈلڈنگ کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے برار کے متعلق اپنے دعاوی و وضاحت کے ساتھ پیش قدمی کی اور اس کے ساتھ ایک میمورنڈم بھی منسلک کیا جو اعلیٰ حضرت کے دعاوی کے متعلق تمام دستاویزی شہادتوں پر مشتمل تھا۔ یہ خط جنوری ۱۹۲۴ء کے اواخر میں عام طور پر شائع ہو چکا ہے، اس لئے اسکو نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے، البتہ اختصار کے ساتھ اسکے صولی نکات ذیل میں درج کر دیئے جاتے ہیں۔

(۱) ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ برٹش گورنمنٹ نے دولت آصفیہ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ بوقت ضرورت اس کی فوجی امداد کرے گی اور دولت آصفیہ نے اس امداد کے معاوضہ میں شمالی سرکار کا علاقہ برٹش گورنمنٹ کے سپرد کیا تھا۔

(۲) ۱۹۶۷ء میں اسی فوجی امداد کے لئے ایک مستقل فوج حیدرآباد میں رکھی

تھی اور اس کے لئے ۲۴۱۷۱۰۰ روپیہ کا خرچ دولت آصفیہ کے ذمہ عائد کیا گیا  
 (۳۱) ۱۹۴۲ء میں اس امدادی فوج کی مصارف کے لئے دولت آصفیہ سے  
 ایک و سرعہ علاقہ لیا گیا جس کی آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ تھی، اس وقت یہ عہد  
 کیا گیا تھا کہ یہ امدادی فوج ان تمام قوتوں کے خلاف ہر وقت استعمال کی جا  
 گی۔ جو دولت آصفیہ کے امن و سکون میں اندر سے یا باہر سے خلل انداز ہوگی۔  
 نیز اس کو ایسی حالت میں بھی استعمال کیا جاسکے گا جبکہ سرکار نظام کی رعایا میں  
 کوئی اس کی اطاعت سے انحراف کرے یا خراج ادا کرنے میں پہلو ہمتی کرے گا۔  
 (۳۲) اس معاہدہ کے بعد جب سرکار نظام کو اپنی باغی رعایا کی سرکوبی کیلئے  
 فوجی امداد کی ضرورت ہوئی تو اس فوج کی خدمات دینے سے انکار کیا گیا جو  
 ۶۳ لاکھ کا ملک لیکر اسی غرض کیلئے قائم کی گئی تھی۔ اور ایک دوسری فوج اپنی  
 خدمات کو انجام دینے کے لئے قائم کی گئی جس کے لئے فریڈ ۴۰ لاکھ روپیہ سالانہ  
 کا خرچ نظام کے ذمہ عائد کیا گیا۔

(۵) اس جدید فوج کا قیام نہ کسی معاہدہ پر مبنی تھا نہ اس کیلئے سرکار نظام  
 سے اجازت لی گئی اور نہ برٹش گورنمنٹ کے لئے یہ جائز تھا کہ ان خدمات کا  
 معاوضہ دوبارہ وصول کرتی جن کا معاوضہ پہلے وصول کر چکی تھی مگر صرف یہی  
 نہیں کہ یہ معاوضہ وصول کیا گیا بلکہ سرکار نظام سے فوج کا خرچ وصول کرنے کے باوجود  
 اس کے تمام انتظامات کلیدیہ انگریزی رزروینٹ کے ہاتھ میں رکھے گئے۔

(۶) ۱۹۵۳ء میں اس فوج کے بقایا ۴۳ لاکھ روپیہ (کلدا) سرکار نظام  
 کے ذمہ قرض کے طور پر نکالا گیا، حالانکہ ۴ سال تک برٹش گورنمنٹ سکندراباؤ

جائزہ کی آبکاری کا محصول بلا کسی حق کے وصول کرتی رہی تھی اور ۳۰ سال تک اس نے امدادی فوج کو جس کا خرچ وہ پہلے وصول کر چکی تھی مقررہ تعداد سے زائد ۲۵ فیصدی کم تعداد میں رکھا تھا، اگر دونوں سلطنتوں کے مطالبات کا باضابطہ محاسبہ کیا جاتا تو برٹش گورنمنٹ کے ذمہ خود سرکار نظام کا الٹا قرض نکل آتا۔ لیکن برٹش گورنمنٹ نے باوجود پیہم مطالبہ کے حساب نہیں کرنے سے اعراض کیا اور اپنے ۴۳ لاکھ روپے کی کفالت اور آئینہ کے لئے اس ناجائز فوج کے معائنہ کی نظامت میں سرکار نظام سے اس کے ملک کا ایک اور حصہ طلب کیا۔

(۷) نظام اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے لئے راضی نہ تھے مگر کمپنی نے فوجی حملہ کی دھمکی دیکر اور یہ خوف دلا کر کہ ان کی جان اور ان کی سلطنت کی بھی خیر نہیں ہے، انہیں اس پر راضی کیا اور اس طرح اضلاع ہزارہ و آہرا پٹور اور وہار سیو کی تفویض عمل میں آئی۔

(۸) ۱۸۵۳ء کا معاہدہ اس صریح منہاجت کے ساتھ ہوا تھا کہ اضلاع منقوہ صرف اس وقت تک برٹش گورنمنٹ کے تصرف میں رہیں گے جب تک سرکار نظام کو کنٹریٹ کی ضرورت رہے گی اور یہ کہ جب سرکار نظام اس فوج کو توڑنے کی خواہش کریگی تو اسے توڑ دیا جائے گا اور ملک اس کے اصلی مالک کو واپس دیدیا جائے گا۔ ۱۸۶۱ء کے معاہدہ میں اسکی دوبارہ توثیق کی گئی۔

(۹) ۱۸۶۱ء میں جب سرکار نظام کی جانب سے کنٹریٹ کو توڑنے کی خواہش ظاہر کی گئی تو اور اضلاع منقوہ واپس ہاتھ گئے تو انکا جواب یہ دیا گیا کہ فرمائو، وقت کی بالابغی کے زمانہ میں ایسے مسائل پر بحث کرنا خالی از وقت نہیں ہے۔

(۱۰) جب فرما کر اُسے وقت نے خود بخود حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو  
 اُسے کی زبان سے ان کو پورے زور کے ساتھ یہ یقین دلایا گیا کہ برار کی  
 تفویض عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ اسکی دلچسپی کا مطالبہ کرنے کا اب سرکار نظام کو  
 کوئی حق باقی نہیں رہا اور اس امر کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ برار کبھی واپس نہ دیا  
 جائے گا یہ غلط امور تمام پچھلے عہود و موافقت کے بالکل خلاف باور کر کے سن ۱۹۰۲ء  
 میں فرما کر اُسے وقت سے دوامی پٹہ حاصل کر لیا گیا، اگر ان کو یہ غلط باور نہ کرایا  
 جاتا تو خود اُسے کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ کبھی اس پٹہ کو منظور نہ کرتے۔

(۱۱) اگر بالفرض فرما کر اُسے وقت نے سن ۱۹۰۲ء کے تصفیہ کو برضا و رغبت  
 قبول کیا تھا۔ تب بھی اس کا جواز مشتبہ ہے کیونکہ ایسا تصفیہ کرنا ان کے اپنی  
 اختیارات سے باہر تھا اور ان حالات میں وہ اپنے ممالک کے کسی حصہ کو جاننے  
 پاس انکی رعیت اور ان کے جائیدادوں کے لئے امانت کے طور پر تھا۔ منتقل  
 کر دینے کا کوئی حق نہ رکھتے تھے۔

(۱۲) جبکہ برٹش گورنمنٹ نے معاہدات کرتے وقت برکار نظام کے لئے برار  
 کے استرداد کا حق صاف طور پر تسلیم کر لیا تھا، اور برار کی تفویض کنٹریبیٹ کے  
 بقایہ موقوف رکھی گئی تھی تو استحقاق پر بربرائے تصرف قدیم (Perscription)  
 کا قانونا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں جس معاملہ میں طانیہ کی نیک  
 نیتی کا سوال درپیش ہو اس میں تصرف قدیم کے استحقاق کو پیش کرنا کسی طرح  
 موزوں نہیں ہے جب سن ۱۸۸۱ء میں میسوک کی ریاست بجال کی گئی تھی، تب بھی دیا  
 و انصاف کے مقابلہ میں تصرف قدیم کے استحقاق کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۱۳) پٹہ پر کسی ملک کے دیئے جانے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ پٹہ وار کے ملک میں جذب ہو گیا، علیٰ نذر القیاس ملک برا کے پٹہ پر دیئے جانے سے یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ ہندوستان کے سیاسی و دیوانی نظام میں جذب ہو جائے۔ وہ اب بھی ریاست حیدرآباد کا ایک غیر منفک جزو ہے، مگر سال ۱۹۰۷ء سے اب تک جو سیاسی تغیرات ہوئے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف مالی حیثیت سے اہل برا کی دولت غیر براریوں کے تصرف میں آرہی ہے بلکہ جدید اصلاحات نے سیاسی حیثیت سے بھی ان کو باہر والوں کے تابع کر دیا ہے مثال کے طور پر صوبہ متوسط کی قانون ساز کونسل میں اپنی وہ کمی تعداد کی بنا پر ماتحت پوزیشن میں ہیں۔

ان وجوہ مولائل کو پیش کر کے اعلیٰ حضرت نے اپنے صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کیا اور اس خیال سے کہ کہیں برطانی راج کی برکات سے اہل برا کے محروم ہو جانے کا پرانا غدر پھر نہ پیش کیا جائے، حضور ممدوح نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہ اہل برا کو حکومت میں اس سے زیادہ اشتراک عمل کا موقع دینگے جو اب تک برطانی راج میں ان کو حاصل رہا ہے اور ایک گورنر کے ماتحت انکو ذمہ دار حکومت خود اختیاری دیکر داخلی نظم و نسق کے اعتبار سے بالکل آزاد کر دینگے۔

اعلیٰ حضرت کے اس مدلل اور مدبرانہ خط پر دہلی اور لندن میں ڈیڑھ سال تک غور و خوض ہوتا رہا اور ابراہیم چاچہ ۱۹۲۵ء کو لارڈ ڈیڈنگ کی طرف سے اس کا جواب ایک طویل خط میں دیا گیا۔ اس خط کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ

اس میں بنیادی مسائل سے اعراض کرنے کی وہی پرانی پالیسی اختیار کی گئی تھی

جسے لارڈ سبیری نے سرسالا جنگ کے جواب میں اختیار کیا تھا، مسئلہ براہ میں سب سے پہلا اور اصولی سوال یہ ہے کہ آیا کنٹینٹ قائم کرنا اور اس کے مصارف کا بار سرکار نظام پڑا لہا نر تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہ تھا تو وہ قرض جس کی بنیاد پر برائے کی تفویض عمل میں آئی گئی، سرے سے بے بنیاد ہی ٹھہرتا ہے اور ساری عمارت پیوند خاک ہو جاتی ہے جس پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ برقرار قائم ہے اس اہم ترین بنیادی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سنہ ۱۸۵۳ء اور سنہ ۱۸۶۱ء کے معاہدات کے معنی اور حدود پر بحث کرنا ناگزیر ہے۔ لیکن سبیری کی طرح لارڈ ریڈنگ نے بھی اس نکتہ کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور اسے چھوڑ کر اس طرح گذر گئے کہ گویا یہ کوئی قابل اعتنا شے ہی نہیں ہے اسی طرح دوسرا اہم بنیادی نکتہ یہ تھا کہ سنہ ۱۸۵۳ء اور سنہ ۱۸۶۱ء کے معاہدات کی رو سے برار کی تفویض قطعی تھی یا عارضی؟ مطلق تھی یا مقید تھی؟ اگر عارضی اور مقید تھی تو یقیناً لارڈ کرزن نے اسکو قطعی اور مطلق قرار دیکر ان معاہدات کی غلط تعبیر کی اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کو دھوکہ دیا لارڈ ریڈنگ کے جواب میں پہلے نکتہ کی طرح یہ نکتہ بھی چھوڑا تا رہا اور ان دونوں ابتدائی مراحل کو چھوڑ کر انہوں نے وقتاً تیسرے اور آخری مرحلہ پر اپنا سارا وزن رکھ دیا کیونکہ وہاں ان کو ذرا سی پاؤں رکھنے کی جگہ ملتی تھی۔ ان کے سارے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ لارڈ کرزن اور فرانسواے حیدرآباد کے درمیان سنہ ۱۸۶۱ء میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ برار کی قسمت کا آخری فیصلہ تھا اس کے بعد اب اس صوبہ کی قسمت کا سوال دوبارہ نہیں چھیڑا جاسکتا اس کو جائز ثابت کرنے کیلئے وہ لکھتے ہیں کہ:-

”نظامِ اچھی طرح اس مباحثہ کے لئے تیار تھے جو ان کے اور لارڈ کوزن کے درمیان ہوا تھا۔ وہ خود اپنی مرضی سے تنہا ملاقات کیلئے آئے تھے ان پر وقت لے وقت جواب دینے کیلئے کوئی زور ڈالا نہیں گیا تھا بلکہ انہوں نے خود ایسا کرنا پسند کیا حالانکہ لارڈ کوزن برابر یہ مشورہ دیتے رہے کہ وہ پورے غور و محنت کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں اس ملاقات کے بعد بھی ان کو ساڑھے تین مہینہ کا وقفہ مل گیا جو ان کی بے ضابطہ منظوری کی باضابطہ تصدیق سے پہلے گذرا تھا۔ انہوں نے یہ باضابطہ تصدیق ایسے الفاظ میں کی جو مجبوری کے خیال کو تقویت دینے کے بجائے اعلیٰ درجہ کی طمانیت کو ظاہر کرتے ہیں اس کے بعد ان کو پھر تین مہینہ سے زیادہ کی ہمت عہد نامہ پر دستخط ہونے سے پہلے مزید غور کے لئے مل گئی اور آخر میں خود ان کی اپنی یادداشت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کی اصلی صورت کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ تھے“

اس سے لارڈ ریڈنگ نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ ۱۹۰۲ء کا عہد نامہ کسی دھوکہ اور فریب کے اثر سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ خوب سوچ سمجھ کر فرمائے گئے وقت نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے کہ علم حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کو سوچنے سمجھنے کا خوب موقع دیا گیا تھا اور وہ بحث کے لئے خوب تیار بھی تھے اور انہوں نے آخری جواب دینے میں خود ہی جلدی بھی کی تھی۔ تب بھی نفسِ مسلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اصلی سوال یہ ہے کہ جب اُسٹریٹ نے ان سے صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ سابق معاہدات کی رو سے انکو استردادِ برائے کا کوئی حق نہیں ہے۔ برابر کی تفویض عارضی ملکہ وہ امی ہے اور برٹش گورنمنٹ

۱۸۰  
 فیصلہ کر چکی ہے کہ برار کو نہ اس وقت اور نہ آئندہ بھی واپس لگنی تو ایسی حالت میں  
 اعلیٰ حضرت کیلئے سوچنے اور سمجھنے کی گنجائش ہی کو نسی باتی رہی تھی لارڈ کرزن نے  
 تو اُسرا یا نہ تحکم کے ساتھ استرداد کا دروازہ بند کر نیکی بعد ان کیلئے صرف ورتے  
 باقی چھوڑے تھے ایک یہ کہ ۲۵ لاکھ سالانہ کے عوض دو امی پٹہ لکھ دیں دوسرے یہ کہ  
 موجود الوقت صورت کو برقرار رکھیں جس میں ان کو برار کی آمدنی میں سے ایک پیسہ  
 بھی ملنے کی توقع نہ تھی والٹر نے کہا تھا کہ وہ انہی دونوں صورتوں میں سے  
 ایک کو اختیار کر سکتے ہیں اور تیسری صورت یعنی استرداد برار کا تصور بھی نہیں کر سکتے  
 ایسی حالت میں اگر ان کو سوچنے اور سمجھنے کی مہلت بھی دی گئی تو وہ بے معنی تھی  
 لارڈ کرزن پر ہمارا اعتراض یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو سوچنے سمجھنے کی  
 مہلت نہیں دی بلکہ اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے عارضی اور مفید تفویض کو دوامی  
 اور مطلق قرار دیا۔ اگر ہمارا یہ اعتراض صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ ۱۹۰۲ء کا معاہدہ  
 غلط ٹرکے ماتحت ہوا اور اگر یہ اعتراض مسلم نہیں ہے تو بتایا جائے کہ ۱۹۰۳ء  
 اور ۱۹۰۶ء کے عہد ناموں اور ان کے متعلق سرکاری اعلانات کی صحیح تعبیر کیا ہے؟  
 اس معاملہ میں ہی ایک بنیادی سوال جو اسی سے لارڈ ریڈنگ نے گزیر کیا ہے  
 اس طرح لارڈ ریڈنگ نے ہول کو چھوڑ کر تمام تر غیر متعلق اور فروری باتوں  
 تک اپنے جواب کو محدود رکھا اور آخر میں لکھا کہ

”یوراکز الٹڈ ہزبانٹس کا خط اس کے لواحق سمیت، میں نے یہ سمجھ کر کہ  
 یہی آپ کی خواہش تھی نہر مجھی کے سکرٹری آف اسٹیٹ کو بھیج دیا تھا چنانچہ  
 وہ بھی ان تمام نتائج سے متفق ہیں جن تک حکومت منہ پانچ ہے، لہذا یہ فیصلہ



مسائل میں جو قدرتی طور پر وقتاً فوقتاً ہمسایوں کے درمیان اٹھ کھڑے ہو کرتے ہیں، کامل آزادی اور خود مختاری کے ساتھ حل کیا ہے۔ اب مسئلہ برار اس استثناء میں نہیں آتا اور نہیں آسکتا کوئی خارجی طاقت یا ایسی اس شخص میں متعلق یا نخل نہیں ہے پس یہ تصنیف دو ایسی حکومتوں کے درمیان تنازع فیہ رہ جاتا ہے جو ایک ہی درجہ کی ہیں اور جن میں سے کوئی کسی کی تابع نہیں ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ اس وجہ کے دو فریق ایک دوسرے کے دعاوی اور سجاوید کو رد کرنے کی آزادی ضرور رکھتے ہیں مگر برٹش گورنمنٹ کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں یہ پوچھنے سے احتراز نہیں کر سکتا کہ مسئلہ برار میں لفظ ”فیصلہ“ کا استعمال کہاں تک صحیح ہے خارجی امور کو الگ کر کے میں برٹش گورنمنٹ کے ایک حلیف کی حیثیت سے اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھنے میں بالکل حق بجانب ہوں کہ نہر مجبھی کی حکومت کے اس انکار کو محض ایک ”انکار“ سمجھوں نہ کہ فیصلہ“..... میرے مطالبہ استرداد برار کے جو آپ میں نہر مجبھی کی گورنمنٹ کا انکار محض اسکی رائے کا اظہار ہو سکتا ہے مگر وہ مجھ پر اور میرے خاندان پر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کر سکتا کہ اب اس تصنیف کو ختم شدہ اور اپنے دعوے کو ہمیشہ کے لئے خارج شدہ سمجھ لیا جائے اس قسم کی پابندیاں ایسے حلفا پر کبھی حاوی نہیں ہو سکتیں جو اپنے عہد ناموں کی شرائط کے ماتحت اسکی پوری آزادی رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تجاوز سے اتفاق کریں یا نہ کریں“

آج کل کے حکمرانوں نے لارڈ ریڈنگ کے ایک اور غلط طرز تعبیر پر اعتراض

۱۸۳  
 فرمایا ہے۔ لارڈ ریڈنگ نے قضیہ براکر کو ایک ایسا قضیہ قرار دیا تھا جس کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

”اس لفظ (یعنی فیصلہ) کا استعمال ایک دوسری قانونی اصطلاح، ”فریئل شدہ“ (Regudicate) کے ساتھ، مجھے پھر مجبور کرنا ہے کہ مسئلہ بڑا میں فریقین کی اعتباری حیثیت کے متعلق اپنے تصور پر مزید زوروں .... یور کلسنی یقیناً جانتے ہو گئے کہ میرے اسلاف یکے بعد دیگرے ابرار کی دوامی تفریقوں کی (تجاویز کو رد کرتے رہے ہیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے بعد ہنریجی کی گورنمنٹ“ فریئل شدہ) کا تصور کئے بغیر انہی تجاویز کو پیش کرتی اور ان پر اصرار کرتی رہی ہے جس طرح اس وقت اس اصطلاح کا اطلاق درست نہیں تھا، اسی طرح اب بھی جبکہ میں اس مسئلہ کے از سر نو افتتاح اور اس کے واجبی اور مناسب تفحص کی درخواست کر رہا ہوں اس کا اطلاق درست نہیں ہے، اعلیٰ قوں اور دوستوں کے درمیان اس قسم کے معاملات میں ”امر فیصل شدہ“ کا ذکر کر کے تعقیب اور تجدید تجاویز کا سدباب نہیں کیا جاسکتا اور نہیں کیا جانا چاہئے۔ یہ قاعدہ تو مفسنوں نے بالکل دوسرے ہی طریقہ و احوال کے لئے وضع کیا تھا، جو ایسے فریقین اور ایسے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں جو نہ تو ہنریجی کی گورنمنٹ اور نظام سے کوئی مشابہت رکھتے ہیں اور نہ زیر بحث مسئلہ سے کوئی جانست“

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کا حج بنجانا، اور محض انکار کی صورت میں بلا دلیل آخری و قطعی فیصلہ

۱۸۴  
 صادر کر دینا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ:  
 ”قطع نظر اس کے جو میں اور لفظ ”فیصلہ“ کے استعمال اور تفسیر پر براہِ قاعدہ  
 ”امر فیصل شدہ“ کے اطلاق کے متعلق لکھ آیا ہوں، ایک بے ضابطگی بھی جس کو  
 نوٹس میں لائے بغیر چھوڑ دینا ناممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی نزاع وہ  
 ایسے حلیوں کے درمیان پیدا ہو، جو ایک خاص امر تصفیہ طلب میں ایک دوسرے  
 کی نسبت تابعیت کی پوزیشن نہ رکھتے ہوں، تو کیا آخری فیصلہ محض رد  
 انکار کی صورت میں صادر کرنے کا حق کسی ایک کے لئے محفوظ رہنا چاہئے؟  
 اس قسم کا ضابطہ عمل تو یہ معنی رکھتا ہے کہ فریقین میں سے ایک سچ بھی بجا  
 کسی امر متنازع فیہ میں اس طریقہ سے طہیان بخش تصفیہ نہیں ہو سکتا، سچ اور  
 فریق مقدمہ کا ذات واحد میں اجتماع، ایک ایسا انتظام ہے جو بہت کچھ قابل  
 چھوڑ دیتا ہے۔ ایک نامور قانون دان اور نگلستان کے سابق چیف جسٹس  
 کی حیثیت سے پورا کسنسی مجھ سے زیادہ اسکی اہمیت رکھتے ہیں کہ ایسے اجتماع  
 سے بترتی کریں۔“

اس کے بعد علم حضرت نے لارڈ ریڈنگ کے تمام دلائل کا لفظ بلفظ جواب  
 دیا تھا۔ اور آخر میں اپنی طرف سے تصفیہ کی صورت پیش کی تھی کہ:-

سے۔ میں نے اس فقرہ کا مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اصل آگے نیری میں جو لطف ہے  
 اسے اردو میں منتقل کرنا مشکل ہے۔ دیکھئے کس قدر خوب دکھا ہے:-

Judge and Party in one is an arrangement  
 that leaves much to be Desired.

”تصفیہ برائے متعلق امور متنازعہ فیہ کو ایک کمیشن کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اسکی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے اور اس کا صدر ایک بلند پایہ اور اعلیٰ قانونی تجربہ رکھنے والا برطانوی جٹیلین ہو جسے وزیر منہذا مقرر کریں۔ اور صدر علاوہ اس کے چھ ارکان ہوں ان چھ میں سے دو حکومت منہد کے نامزد کئے ہوئے ہوں، دو میرے منتخب کئے ہوئے ہوں اور دو خود اہل ہر ایک کے نامزد ہوں جنہیں صوبہ متوسط کی کونسل، ایچ بی او اسمبلی اور کونسل آف ایڈیٹ کے غیر سرکاری براری ارکان منتخب کریں، اس طرح منتخب کئے ہوئے کمیشن کے لئے متعین کردہ وسیع حدود بحث و گفتیش مقرر کئے جائیں تاکہ وہ ان تمام مسائل کی مکمل تحقیقات کرے جنہیں بد قسمتی سے نہر جمعی کی گورنمنٹ اور میرے درمیان اختلاف رائے ہے ان حدود کی تعین اس طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت ہند کے شعبہ سیاسیات کا ایک افسر اور میرا ایک آدمی یہ دونوں ملکر بحث کریں اور اس کے بعد میں اور یورپ کے کسی امور سے متعلق طلب کو با اتفاق رائے طے کریں اس کمیشن کا پورا خراج میری حکومت برداشت کرے گی۔

میں نے اس خط کے خاص خاص حصوں کو خود اعلیٰ حضرت کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔ تاکہ شہرخص اس کو پڑھکر اس کی معقولیت کا نودا اندازہ کرے اعلیٰ حضرت نے حکومت منہد کی اختیار کی ہوئی غلط پوزیشن پر جو اعتراضات کئے تھے انہیں کئی منصف مزاج اور معقول آدمی ناروا اور زیجا نہیں کہہ سکتا اور امور متنازعہ فیہ کے تصفیہ کی جو صورت حضور مدوح نے پیش کی تھی وہ بھی نہ صرف معقول مناسب بلکہ اعلیٰ حضرت کی نسبت خود حکومت منہد کے حق میں زیادہ مفید تھی، لیکن اسکا

۱۸۶  
 جو جو اب حکومت ہند کے ٹیس اعلیٰ نے دیا اس کے متعلق اس سے بہتر کوئی  
 اظہار رائے نہیں ہو سکتا کہ اس کو خود اسی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے لارڈ  
 ریڈنگ اپنے ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء کے خط میں لکھتے ہیں :-

”میں یورگنز الٹڈ ہائی ٹیس کی بیرونی میں اس تفسیر کی تاریخی تفصیلات  
 بحث کرنا نہیں چاہتا، جیسا کہ میں آپ کے اپنے پہلے خط میں اطلاع دے چکا ہوں  
 آپ کے پیش کردہ امور کی پوری توجہ کے ساتھ تحقیق و تفتیش کی گئی ہے اور  
 اب جو کچھ آپ فرماتے ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو میری گورنمنٹ  
 اور وزیر ہند کے اخذ کردہ نسخے پر اثر انداز ہوئی ہو.....  
 ”آپ نے بیان کیا ہے کہ حیدرآباد کے داخلی امور میں آپ فرما رہے  
 ریاست حیدرآباد ہونے کی حیثیت سے وہی درجہ رکھتے ہیں۔ جو برٹش گورنمنٹ  
 کو جہاں تک برطانی ہند کے داخلی امور کا تعلق ہے، ہندوستان میں شامل ہے  
 ..... یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یورگنز الٹڈ ہائی ٹیس اپنے اور دولت  
 عالیہ (PARAMOUNT POWER) کے تعلق سے متعلق ایک

غلط تصور رکھتے ہیں، جسے دور کرنا ہر پیرسٹیٹس کا نامیدہ ہونے کی حیثیت سے  
 مجھ پر لازم ہے کیونکہ اس وقت ایک ایسے مسئلہ میں میری خاموشی کو ممکن ہے کہ  
 اس صورت کے تسلیم کر لینے کا ہم مخفی قرار دیا جا، جسے آپ نے پیش کیا ہے تاج طہ  
 کی سیادت ہندوستان میں بسے برتر ہے اور اسناد پر کوئی داخلی ریاست برٹش گورنمنٹ  
 کے ساتھ مساویہ طریق پر گفت و شنید کرنے کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب جس ہو  
 تاج کی برتری صرف معاہدات اور تہنات ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ اس

۱۸۷

یے نیاز ہو کر بھی قائم ہے۔ خارجی دولت اور سیاست سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اس کے خصوصی اختیارات سے قطع نظر، برٹش گورنمنٹ کا حق اور فرض ہے کہ بحزم و احتیاط ان تمام عہدہ و مواہین کا احترام کرتے ہوئے جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ کئے گئے ہیں ہندوستان کے طول و عرض میں ان اور حسن انتظام کو برقرار رکھے اس سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ اتنے معروف ہیں، اور دوسرے والیان یا مست کی طرح یوراکن الیڈھٹی اس پر بھی ان کا اطلاق اتنا روشن ہے کہ ان کو بیان کرنا سبیل ہی سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اگر توضیح کی ضرورت ہو تو میں یوراکن الیڈھٹی اس کو یاد دلاؤں گا کہ ۱۸۶۲ء میں دوسرے والیان یا مست کی طرح فرمائز و آجیڈا کو بھی ایک سند دی گئی تھی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ان کے خاندان اور انکی حکومت کے بقا کی خواہشمند ہے، بشرطیکہ وہ تاج کے وقادار ہیں۔ اور یہ کہ سند حیدرآباد پر کسی کی جائینی اس وقت تک جائز نہ ہوگی جب تک نہر میجسٹیٹینڈ شاہ معظم اسکو منظور نہ کر لیں، نیز جائینی مسئلہ میں اگر کوئی نزاع برپا ہو تو برٹش گورنمنٹ تنہا اس کا فیصلہ کرے گی۔“

دوسری ریاستوں کے اندرونی معاملات میں برٹش گورنمنٹ کا حق مداخلت ان نتائج کی ایک دوسری مثال ہے جو برطانیہ تاج کی برتری کو لازمی طور پر متضمن ہیں، فی الواقع برٹش گورنمنٹ نے بار بار اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ شدید وجوہ کے بغیر اس حق کو استعمال کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی مگر وہ داخلی اور خارجی تحفظ جس سے والیان یا مست متمتع ہوتے ہیں، انجام کار

برٹش گورنمنٹ ہی کی محافظ قوت کے باعث انہیں حاصل ہے اور جہاں کہیں شاہی مفاد کا تعلق ہو یا کسی ریاست کے طرز عمل سے اس کے باشندوں کی عام فلاح و بہبود پر واقعی اور شدید مضریت رسا اثر پڑے ہو، تو حسب ضرورت اس کا تدارک کرینگی ذمہ داری آخر میں بالآخر قوت ہی پر عملد ہوتی چاہئے۔ اندرونی حاکمیت : ( SOVEREIGNTY ) کے وہ علم مدایح جن سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں سب کے سب لائبرٹی ہی کی جانب سے اس ذمہ داری کی مناسب انجام دہی کے ساتھ مقید ہیں اس پر یہی ہی دوسری مثالوں کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے چونکہ کورہ بالا مثالوں سے کچھ کمزور کی اس لئے کی تعلیظ نہیں کرتیں کہ باستثنائے امور متعلق بہ دول و سیاسیات خارجیہ یوراکز الٹڈ ہائی لنس کی حکومت اور برٹش گورنمنٹ ایک ہی درجہ مساوات پر قائم ہیں۔ مگر میں اس موضوع پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، میں صرف یہ اضافہ کر دوں گا کہ یوراکز الٹڈ ہائی لنس کو جو یار و فاڈا کا خطاب حاصل ہے اس کا یہ اثر نہیں ہے کہ تاج برطانیہ کی ریاست میں آپ کی گورنمنٹ کو دوسری ریاستوں سے کوئی جداگانہ حیثیت حاصل ہو۔

آپ نے حیدرآباد اور دولت عالیہ کے تعلقات کے متعلق اپنے موجودہ تصور کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر مہموشی کی گورنمنٹ جن نتائج پر پہنچی ہے ان کو لفظ ”فیصلہ“ سے تعبیر کرنے میں میں نے غلطی کی ہے نیز یہ کہ قاعدہ ”فیصلہ شدہ“ کا اطلاق حیدرآباد اور حکومت ہند کے مابین نرالی امور میں درست نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یوراکز الٹڈ ہائی لنس کی اس

رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ آپ کے پیش کردہ امور کے متعلق وزیر منہد کے احکام ایک فیصلہ کی مدت نہیں پہنچتے، یہ دولت عالیہ کا حق اور امتیازی حق ہے کہ وہ تمام ان نزاعات کا فیصلہ کرے جو دو ریاستوں کے درمیان یا خود اس کے اور کسی ریاست کے درمیان پیدا ہوں، اگرچہ خاص خاص حالات میں ایک عدالت تالیفی بھی مقرر کی جاسکتی ہے مگر اس عدالت کا کام بھی منہد اتنا ہی ہے کہ حکومت منہد کو آزادانہ مشورہ دے باقی رہا فیصلہ تو اس کا حق حکومت منہد ہی کو حاصل رہے گا۔

رہا اصطلاح امر فیصل شدہ کا استعمال تو یہ بھی جانتا ہوں کہ حکومت منہد کے لئے کسی عدالت دیوانی کی طرح اس کی ضمانت نہیں ہے کہ کسی ایسے مسئلہ کی سماعت کرے جو پہلے کسی فیصلہ کا موضوع بن چکا ہو مگر "امر فیصل شدہ" کا قانونی ہول ٹھوس عملی ملحوظات کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک ایسے مسئلہ کو جس کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو بار بار انہیں فریقین کے درمیان زیر بحث لانا کسی طرح مرغوب نہیں ہے اب میں آپ کی اس درخواست کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ قبضہ برآ

کی تحقیقات اور اس پر رپورٹ کرنے کے لئے کمیشن مقرر کیا جائے، بلکہ اگر اللہ کی امان خود بھی جانتے ہیں کہ اب سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے حکومت منہد نے ایسے مسائل میں عدالت تالیفی مقرر کرنے کے لئے ایک خاص قاعدہ مقرر کیا ہے جنہیں کوئی ریاست حکومت منہد کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو، لیکن اگر آپ اس تھوریہ کو ملاحظہ کریں گے جو اس جدید انتظام پر مشتمل ہے تو آپ

دیکھیں گے کہ اس میں کوئی ایسی دفعہ نہیں رکھی گئی ہے جسکی رو سے ایسے مقدمات میں بھی عدالت ثالثی مقرر کی جاسکتی ہو جن میں خود ہنر بھٹی کی گورنمنٹ نے فیصلہ صادر کیا ہو، میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ایک ایسا مقدمہ کیا یہ ہے جس میں ایک پرانی نزاع کا خاتمہ ایک سمجھوتہ کے ذریعہ کیا جا چکا ہے اور وہ سمجھوتہ بھی پورے غور و خوض کے بعد ایسی شرائط پر ہوا ہے جو ابہام سے پاک ہیں ثالثی کی عرض سے پیش کرنے کے لئے موزوں ہو سکتا ہے؟

میں نے چند غیر ضروری فقروں کو حذف کر کے یہ پورا خط لفظ بلفظ نقل کر لیا ہے تاکہ ہر شخص خود اس کو پڑھ کر رائے قائم کر سکے۔ اس میں لارڈ ریڈنگ نے بزار کے اصلی مقدمہ کو اس کے تمام قانونی اور واقعاتی نکات سمیت نظر انداز کر کے صرف اس امر پر زور دیا ہے کہ برٹش گورنمنٹ بالا دست ہے اور دولت اصفیہ زیر دست، اس لئے اگر بالا دست نے زیر دست کا ملک چر سے یا حیلہ سے یا کسی طرح چھین لیا تو اب زیر دست کو یہ حق باقی نہیں رہا کہ اس سے کسی دلیل و حجت کا مطالبہ کرے یا اپنے دعوے استحقاق کو پیش کر کے اسپر بخت کرے یا کسی عدالت ثالثی کے ذریعے انصاف کی بنی کو شش کرے بالا دست کو حق ہے کہ بلا دلیل اپنی تائید میں خود فیصلہ صادر کرے اور زیر دست کا فرض ہے کہ خواہ وہ مطمئن ہو یا نہ ہو، ہر صورت اس فیصلہ کو سن کر دم بخور رہ جائے لارڈ ریڈنگ نے دولت اصفیہ کو ایک ماتحت حکومت ثابت کرنے کیلئے جو طریق استدلال اختیار کیا ہے اس پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سکی مگر ذرا ہی تو اسی سے ظاہر ہے کہ تمام معاہدات و تہہ ناجات میں

ان کو صرف ایک سلسلہ ۱۸۶۲ء کی سند مل سکی ہے جس کو کھینچ تان کر مشعل یہ معنی پہنائے  
 جا سکتے ہیں کہ داخلی امور میں بھی دولتِ اصفیہ سلطنتِ برطانیہ کی تابع ہے حالانکہ  
 ۱۸۰۲ء کا معاہدہ جس پر دو لیتین کے موجودہ تعلقات قائم ہیں، اسکی صاف  
 تردید کر رہا ہے۔ تاہم اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ دولتِ اصفیہ  
 خارجی امور کی طرح داخلی امور میں بھی سلطنتِ برطانیہ کی تابع ہے تب بھی یہ  
 سوال جوں کا توں رہتا ہے کہ حقوق کے متعلق تنازع فیہ امور میں بالائری و  
 طاقتوری کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرنا اور فیصلہ بھی اس طرح کہ بحث و استدلال  
 کا دروازہ بند کر کے سادہ اور خالص روڈ انکار کی شکل میں جواب دیدیا جائے  
 کہانتک جائز معقول اور اطمینان بخش ہو سکتا ہے، اس چیز کو خواہ کتنے ہی  
 پیچ در پیچ اور وکیلانہ انداز بیان میں پیش کیا جائے۔ مگر کوئی صاحب عقل  
 آدمی اتنی موٹی سی بات سمجھنے سے قاصر نہیں رہ سکتا کہ حق اور انصاف کے  
 معاملہ میں نہ بالادستی استحقاق کی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ زیردستی عدم استحقاق  
 کی، اور خصوصیت کے ساتھ ایسا مقدمہ جس میں مدعی کی شکایات اتنی قوی  
 اتنی مدلل اور اتنی معقول ہوں کبھی اس طرح نہیں ہو سکتا کہ بحث و تفتیش  
 تحقیقات کچھ نہ ہو اور مدعی علیہ صرف یہ دو حرفی حکم صادر کرے کہ مدعی کا  
 دعویٰ خالی، اگر بضر محال یہ درست ہے کہ دولتِ اصفیہ حکومتِ برطانیہ  
 کے مقابلہ میں ایک تابعدانہ حیثیت رکھتی ہے تب بھی اسکی تابعدانہ حیثیت  
 کے رعایا سے زیادہ ادنیٰ تو نہیں ہے پھر برطانیہ رعایا کو حکومت کے خلاف  
 عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹائے کا حق ہے، اور انگریزی عدالتوں میں

۱۹۲  
 رات دن "تاج" (CROWN) کے خلاف دعوے ہوتے رہتے ہیں  
 تو کیا سلطنت آصفیہ کا تاجدار برطانی رعایا کے معمولی افراد بھی گیا گذرا ہے کہ  
 اس کو ایک آزاد اور غیر جانبدار کمیشن کے ذریعہ اپنی شکایات کے متعلق تحقیقات  
 کرانے کا حق بھی نہیں مل سکتا؟ فصل خصومات اور تصفیہ نزاعات کا یہ تو  
 کوئی بھی معقول طریقہ نہیں ہو کہ پہلے ملک پر عارضی قبضہ کیا جائے اس دلیل سے  
 کہ اگر نہ دو گئے تو پونا کی دو رہتھیں تم پر حملہ کر دیں گی۔ پھر اس عارضی قبضہ  
 پر دوامی تسلط کا پٹہ حاصل کیا جائے اس حجت سے کہ ملک تو تمہیں بہر صورت  
 واپس نہ ملے گا، البتہ اگر تم دوامی پٹہ نہ لکھو گے تو اب تک اس میں سے جو تھوڑا  
 بہت تمہیں ملتا رہا ہے وہ بھی بند ہو جائے گا، پھر جب اصل حقدار اس میں جائز  
 طریق ملک گیری پر اعتراض کر کے اپنے جائز دعویٰ پیش کرے تو اس کو  
 یہ کہہ کر خاموش کر دیا جائے کہ ہماری قوت تم سے بالاتر ہے اور ہم یہ فیصلہ  
 کر چکے ہیں کہ تمہارے ملک کو واپس نہ کریں گے اس لئے تم کو یہ فیصلہ بے چاروں  
 چرما تسلیم کرنا چاہئے! یہ طریقہ برسر جنگ دشمنوں کیساتھ اختیار کیا جائے  
 تو چنداں قابلِ تعجب نہیں۔ مگر دوستوں کے ساتھ اور دوست بھی وہ مصیبت  
 کے وقت جان کی جگہ جان اور روپے کی جگہ روپیہ قربان کر نہیں دینا  
 نہ کرتے ہوں اسے استعمال کرنا حق و انصاف ہی کا نہیں بلکہ انسانیت  
 و شرافت کا بھی خون کرنا ہے۔

سلطنت برطانیہ خود بھی اپنے اس جواب کی غیر معقولیت کو سمجھتی ہے اور  
 اسے معلوم ہے کہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علیجاں جیسے مضبوط اور بیدار مغز فرما کر

۱۹۳

ایسے جوابات سے خاموش کرنا مشکل ہے اس لئے اس نے ان کے دعوے کو رد کرنے کے ساتھ ہی انہیں خاموش کرنے کا بالواسطہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ اعلیٰ حضرت کیلئے خود ان کے ملک میں داخلی مشکلات پیدا کرنی شروع کر دیں، وہی دولت اصفیہ جو اکتوبر ۱۹۲۳ء سے پہلے تک تمام نقائص سے مُبرا تھی، اور جسے نومبر ۱۹۲۳ء میں خود لارڈ رٹڈنگ نے یہ سترغیک عطا کیا تھا کہ اس کا نظم و نسق نہایت عمدہ اور قابل اطمینان ہے استرداد برار کا مطالبہ کرتے ہی اس میں نہراؤں کی عیوب نکلنے شروع ہو گئے، اس کی رعایا سے اس کے جاگیرداروں سے اس کے امراء و اعیان سلطنت سے اسکی پابلیکا ہوں سے عرض اسکی رعیت کے تمام طبقوں سے برٹش گورنمنٹ کو گہری سمجھدوی پیدا ہو گئی اس کے فرمانروا کے انتظامی معاملات ہی نہیں بلکہ ذاتی معاملات تک پھینکی و حرف گیری کے قابل ہو گئے اور اس امر کی شدید ضرورت پیش آ گئی کہ دولت عالیہ اس کے داخلی امور کی اصلاح کے لئے مداخلت کرے، استرداد برار کا مطالبہ کرنے سے پہلے تک ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی وہاں نہ تھی اور اصلاح امور کے لئے مداخلت کرنا بھی برٹش گورنمنٹ کے فرائض سے خارج تھا لیکن یہ مطالبہ کچھ ایسا محسوس نکلا کہ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کی زبان سے اس کے نکلنے ہی دفعۃً نہراؤں خرابیوں اور سنگینوں کی عیوب کا دروازہ کھل گیا اور بیچاری حکومت برطانیہ پر اس مطالبہ کو رد کرنے کے سنا ہی بیسیوں ایسے فرائض کا بار آنا پڑا جن سے وہ پہلے بالکل بگڑی تھی یہ ڈھنگ میں جن سے حق طلبوں کا منہ بند کیا جاتا ہے اور بالادست سبکداز دستوں سے اپنے فیصلے منوائے جاتے ہیں۔

## ڈیڑھ صدی کے تعلقات پر ایک نظر

انگریزی حکومت کیساتھ فرمائے دیا سلطنتِ آصفیہ کے ابتدائی تعلق سے لیکر جدید ترین عہد تک ڈیڑھ صدی سے زائد مدت میں دونوں سلطنتوں کے سیاسی تعلقات کا جو حال رہا ہے، اس کو خود انگریزی ذرائع اور زیادہ تر معتبر دستند سرکاری ریکارڈ کے حوالہ سے ان صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے اس طویل تاریخی داستان کی تفصیلات کو نظر انداز کر کے اگر اس کا ایک اجمالی خلاصہ نکالا جائے تو وہ ایک جملہ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ

”دولتِ آصفیہ کی جانب سے ہمیشہ وفاداری اور احسان کا برتاؤ کیا گیا اور دولتِ برطانیہ کی جانب سے اس کا جواب ہمیشہ بیوفائی اور محسوس کشمی کی شکل میں یا گیا۔“

۱۷۶۶ء سے لیکر ۱۹۲۶ء تک دونوں کے سیاسی تعلقات کی پوری تاریخ کو پڑھ جائیے آپ دیکھیں گے کہ سلطنتِ برطانیہ پر کوئی نازک وقت ایسا نہیں آیا ہے جس میں دولتِ آصفیہ نے جان و مال سے اسکی مدد نہ کی ہو۔ لگوس کے ساتھ ہی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دولتِ آصفیہ کے احسانات کا بدلہ اس کو نقصان پہنچا کر نہ دیا گیا ہو۔ نواب میر نظام علیخان نے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے خلاف انگریزوں کی مدد کی اور اپنی مملکت کی پانچ شمالی سرکاریں اور کڑپہ اور بلاری کے علاقے ان کی نذر کئے۔ مگر اس کا بدلہ یہ لاکھ ان کی فوج کے بہترین حصہ کو زبردستی منتشر کیا گیا اور مرہٹوں کے

ہاتھوں ان کی سلطنت کو پامال ہونے دیکھ کر انگریزوں نے اپنی جگہ سے جنبش  
 تک نہ کی۔ اس کے بعد نواب سکندر جاہ نے پہلی اور دوسری جنگ مرہٹہ میں  
 انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریزوں نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ ان کو خود اپنی مملکت  
 میں بے بس کر دیا اور ان کے ملازموں سے ساز باز کر کے ان کی مملکت  
 کے لئے ہلاکت و بربادی کے تمام سامان ہتھیار کر دیئے۔ نواب ناصر الدولہ نے  
 خود اپنے بھائی مبارز الدولہ کو جب کہ ان پر وہابی سازش کا الزام لگایا  
 گیا تھا، قید کیا، ۱۸۳۵ء اور ۱۸۳۶ء اور ۱۸۳۹ء میں کرنول اور گومسو وغیرہ  
 کے خلاف فوجی امداد دی اور انگریزی حکومت کے ناجائز مطالبات پر  
 بے چوں و چرا لاکھوں روپیہ کنٹریبنٹ کے لئے دیا، مگر اس سلوک کے عوض فوجی  
 دھکی دے کر ان سے ان کی پوری ریاست کا تیسرا حصہ زبردستی حاصل کر لیا  
 گیا، نواب افضل الدولہ اور ان کے وزیر سالار جنگ نے غدر کے ہتھکامہ  
 میں انگریزوں کی ایسی اعانت کی جس پر خود وزیر مہند نے انکو وفاداروں  
 کی فہرست میں سب سے اوپر رکھنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس وفاداری کی  
 یہ قدر کی گئی کہ استر داورا کے لئے ان کے جائز مطالبات کو پیہم ٹھکرایا گیا  
 اور آخر میں سالار جنگ کو گرفتاری تک کی دھکی دیکر زبردستی خاموش کیا  
 گیا۔ نواب میسر محبوب علیجاں مرحوم نے مصر و افغانستان اور روس کے  
 خلاف مالی اور فوجی امداد پیش کی اور تمام عمر انگریزوں کی وفاداری کا  
 دم بھرتے رہے مگر ان کو اس کا یہ انعام دیا گیا کہ جب شدید مالی مشکلات  
 میں مبتلا تھے تو ان کو برار کے منافع سے محروم کر کے اور معاہدات و مواعید

۱۹۶  
 خلاف استرداد برار سے مایوس کر کے ان سے برار کا دوامی پتہ حاصل کیا گیا ہے۔  
 اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر نے جنگ عظیم میں برطانی سلطنت کے  
 تمام غیر برطانی دوستوں سے زیادہ اسکی مالی اور فوجی اعانت کی اور موت و  
 زلیلت کی کشمکش میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ مگر جب وہ سخت وقت گذر گیا۔  
 تو ان کے احسانات کا بدلہ یہ دیا گیا کہ برار کے مسئلہ میں ان مطالبات کو نفی  
 کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا اور اس حق طلبی کی پاداش میں ان کے لئے طرح طرح  
 کی داخلی مشکلات پیدا کرنے کا سامان کیا جاتا رہا ہے۔

اس ایک طرف دوستی کی داستان پر اس سے بہتر تبصرہ نہیں ہو سکتا  
 جو آج سے بہت عرصہ پہلے خود ایک انکلو انڈین اخبار ٹائمز آف انڈیا لکھا ہے  
 وہ لکھتا ہے کہ :-

” نظام دکن کے ساتھ ہمارے تعلقات اس زمانہ سے جبکہ ہم نے ایک نفاذ  
 قوت کی حیثیت اختیار کی موجودہ اور زیادہ روشن زمانہ تک ایسے ہے  
 ہیں کہ ان کی تاریخ ہر شخص کو جو ہماری قومی میرت اور ایسی دماغ پر  
 اس کے اثر کو خوب تر دیکھنے کا حریص ہو، رنج و افسوس کے ساتھ پڑھی  
 چاہئے۔ ہم نے ظاہر تو یہ کیا کہ نظام کے مقبوضات کو خارجی دست برد  
 اور داخلی انتشار سے بچائیں گے ان کی سلامتی کے تمام ریس گے،  
 اور ان کی حالت کو درست کریں گے۔ مگر ہم نے کیا یہ کہ انکی سلطنت  
 کے صوبے پر صوبے مہم کرتے چلے گئے۔ درحقیقت ہم نے نظام کو مجبور کر کے  
 اسی ملک کے اقطاع ان سے جبراً حاصل کئے جسکی حفاظت کی ذمہ داری

لیکھ ہم اس کا معاوضہ بھی وصول کر چکے تھے۔ حیدرآباد کے لئے ہمای  
 حمایت بجائے اس کے کہ تحفظ کی ضمان ہوئی الٹی قطع و برید اور  
 دست برد کا ذریعہ بن گئی۔ ایسی حالت میں اسکو حمایت سے موسوم کرنا  
 اس لفظ کا بے محل استعمال ہے۔ ایک سلطنت کا دوسری سلطنت کو  
 اپنی حفاظت میں لینا اور پھر اس حفاظت کے معاوضہ میں اس کے بڑے  
 بڑے اقطاع کو یکے بعد دیگرے سلب کرتے رہنا تا آنکہ وہ محفوظ سلطنت  
 گھٹتے گھٹتے اپنی سابقہ عظمت و وسعت کا محض ایک شاہیہ رہ جائے اور  
 محافظ سلطنت اپنے مقبوضات میں اضماع کر تی چلی جائے ایک ایسی حرکت ہے  
 جس کو لفظ حمایت و حفاظت سے تعبیر کرنا انتہا درجہ کی لغویت ہے  
 اگر یہ نتائج اس نوع کے سیاسی تعلق کے ساتھ ناگزیر ہیں تو ایسی  
 حالت میں اس حمایت کو مفید سمجھنا تو درکنار ہم کہیں گے کہ وہ کھلم کھلا  
 دشمنی سے کچھ کم ہونا کنبہ نہیں ہے۔ اگر ہم نظام کو علانیہ جنگ میں شکست  
 دیتے اور فاتح کی حیثیت سے شرائط صلح پیش کرتے تو تو وسیع مملکت کے  
 سلسلہ میں خواہ وہ کامل اسحاق کی شکل میں ہوتی یا ارض مفتوح کے  
 فوجی احتلال کی صورت میں ہم کو شاید اس سے زیادہ ملک ہاتھ نہ آتا  
 جتنا ہم نے دوستی کے خوش آئینہ مظاہرہ اور پڑھنے سے حمایت و حفاظت  
 کے پردہ میں حاصل کر لیا۔

یہ تبصرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے، جتنا کہ آج سے ۵۰ برس پہلے تھا

اس تاریخی داستان کو دہرائے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ جو کچھ زمانہ سابق میں ہوتا رہا ہے، وہی اب بھی ہوتا رہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ سابق میں جو غلطیاں کی گئی ہیں انہیں بیان کر کے ان کے نتائج سے آگاہ کیا جائے اور انکی تلافی کا مشورہ دیا جائے۔ تاریخ اس لئے نہیں ہے کہ اس کی پیروی کی جائے بلکہ اس لئے ہے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے اگر کوئی قوم ڈیڑھ سو برس سے حماقتیں اور غلطیاں کر رہی ہو تو ان کے اعادہ کا یہ نتیجہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ اسی ڈگر پر اور زیادہ اصرار کے ساتھ چلتی رہے اگر درحقیقت یہ ثابت ہو جا کہ اسکے وہ افعال غلط اور غیر معقول تھے تو ہر خردمند انسان کے نزدیک اس کا نتیجہ صرف یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ کیلئے وہ ان سے اجتناب کرے، جہاں تک ممکن ہو سکھے دل سے ان کی تلافی کرے، اور عقل صحیح کی روشنی میں اپنے لئے ایک نئی اور زیادہ بہتر پالیسی اختیار کرے، اس طویل مضمون کی تحریر سے میرا مقصد بھی یہی ہے کہ سلطنت برطانیہ کے مدبرین کو یہ مشورہ دوں کہ ایک مرتبہ وہ اپنے گزشتہ نامہ اعمال پر ایمان داری کے ساتھ ایک سناٹا ال لیں اور خود اپنے دل سے یہ سوال کریں کہ کیا دوستوں اور وفاداروں سے یہی سلوک کیا جانا چاہئے کیا کوئی قوم اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک کر کے یہ امید کر سکتی ہے کہ کسی نازک وقت میں کوئی اس کی مدد کرے گا؟ کیا اس طرز عمل سے کوئی قوم اپنے دوستوں کی تعداد میں اضافہ اور دشمنوں کی تعداد میں تخفیف کر سکتی ہے؟ اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے برتاؤ

۱۹۹  
 کوئی قوم دوسری قوموں کی وفاداری، اخلاص، اور محبت کو خرید سکتی ہے؟  
 اگر اہل برطانیہ کی عقل کا اس حد تک دیوالہ نکل چکا ہے کہ ان سوالات کا جواب  
 اثبات میں ہے تو وہ شوق سے اسی ٹیڑھے راستے پر چلتے رہیں جس پر چلتے  
 رہے ہیں اور اپنی آنکھوں سے اس انجام کو دیکھنے کے لئے تیار رہیں جو ایسی  
 حرکات کا قدرتی نتیجہ ہے، لیکن اگر برطانیہ قوم میں فی الواقع کچھ ایسے  
 صحیح الفکر ارباب نظر موجود ہیں جو اپنی سلطنت کی غلط پالیسی کے نتائج  
 سمجھ سکتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اس پالیسی پر نظر ثانی کریں، اور اپنے  
 دوستوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو انعام و اکرام نہ سہی حق و انصاف سے  
 جوڑ کر، اس وفاداری کا اپنے آپ کو جائز ستی بنائیں جو ان کے لئے  
 بڑے بڑے نازک اوقات میں حد درجہ قیمتی ثابت ہوئی ہے۔



# ہدایہ

مقابل کے صفحات ناظرین کو ہدیہ پیش کرنے کیلئے  
چھپوانے جاچکے تھے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ امودودی  
نے ازراہ عنایت اخصین ضمیرہ کتاب بنانے کی اجازت  
مرحمت فرمادی۔

اب یہ معاہدہ تکمیل کتاب کے لئے ضروری ہے  
بطور ضمیرہ اس کتاب کے ساتھ پیش ہے۔

ناشران

محمد اقبال سلیم گاہندری سید علی شبر حاتی  
بی۔ ایس۔ سی (عثمانیہ)

# مُعَايِدَةُ بَرَارِ

٢٢٢ هـ اکتوبر ١٩٣٦ء

# گزارش

بیچیب

ہم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب سودودی کی مشہور و معروف تالیف  
دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے، یہ  
کتاب مولانا نے ۱۹۲۶ء میں تالیف فرمائی تھی۔ اور اسی وقت یہ شائع ہوئی  
تھی۔

چونکہ مصنف کی اجازت کے بغیر کتاب میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا  
دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین جو معاہدہ سکہ برار پر ۱۹۳۶ء  
میں ہوا ہے۔ اس کے بغیر کتاب کا مضمون دوسری اشاعت تک مکمل نہیں  
ہے۔ اس لئے ہم معاہدہ برار ۱۹۳۶ء کو الگ چھاپ کر مدینہ ناظرین کرتے ہیں  
۱۹۳۶ء کے بعد سے دونوں حکومتوں کے مابین کوئی قابل ذکر بات بجز زیر نظر  
معاہدہ کے ظہور نہیں پائی۔ اس لئے صرف معاہدہ کا نقل کر دینا کافی ہے۔

محمد اقبال سلیم گانہدی  
جولائی ۱۹۳۶ء

علی شبر حاتم  
بی بی سی (عثمانیہ)

# جریدہ غیر معمولی

بحکم عالیجناب اچھبہا کیشن پرنسپلین السلاطنتہ بالقابہم  
پیشکار و صدر اعظم باب حکومت <sup>کابل عالی</sup>

اعلیٰ حضرت مظفر الملک الممالک فتح جنگ آصف جاہ سابع کے آستان  
سے شرف درو دلایا ہوا فرمان نصرت نشان مترشدہ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ  
اطلاع عام کے لئے شائع کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔ فقط

حیدر نواز جنگ

صدر المہام متعلقہ دور دستوری

## فاران

میں نے اپنے فریاد مورخہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ میں لاہور ونگڈ  
کی حیدرآباد سے روانگی سے قبل اُن انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر  
کیا تھا جو سرکار عظمت مدار کے ساتھ گفت و شنید کے نتیجہ کے طور پر ہندستان  
میں نئے دستور قائم ہونے پر میرے ملک برار کے آئندہ نظم و نسق کی نسبت  
عمل میں آئیگی۔ اسی فرمان میں میں نے یہ لکھا تھا کہ میری علیکواں تدا بیر کے

تفصیلی اعلان کا سخت انتظار رہے گا جس کی رو سے میرے ملک برار کا نظم و نسق ملک منظم کے اس ملک کیساتھ جو بنام ممالک متوسط موسوم ہے۔ مثل ایک صوبہ واحد کے ہوگا جس کا نام ممالک متوسط و برار رہے گا۔ اور برار پر میری سلطنت عملاً سطح مجیز ہوگی کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

نیز یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کو امید ہے کہ ہندوستان کا دستور و بنا بزودی ممکنہ اعلان مذکور کی اجازت دیکھا تاکہ اب اس طے شدہ مجھے جو اطمینان حاصل ہوا اس میں میری رعایا، بھی شریک ہو سکے۔

چونکہ گفت و شنید اب بجز اللہ کامیابی کیساتھ اختتام کو پہنچ چکی ہے اور میں نے بتایا ہے، شہبان اعظم ۱۳۵۵ھ ہجری مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء تہہ نامہ برار پر جو ملک منظم کے ساتھ ہے و تخط بھی ثبت کر دے ہیں۔ اس لئے بفضلہ تعالیٰ اب وقت آگیا ہے جبکہ تہہ نامہ کی دفعات اور نیز وہ منسلکہ مکتوب جو منجانب ملک منظم بدتخط نہر کلسنی وائسرائے بہادر میرے نام وصول ہوئے عوام کی اطلاع کی غرض سے شائع کر دیئے جائیں۔

موجودہ تہہ نامہ اور اس کے منسلکہ مکتوب کے ذریعہ یہ قدیم تصفیہ طلب سائل جس طرح طے پائے ہیں نیز معاہدہ ۱۹۱۱ء کی تسخ سے مجھے کمال درجہ اطمینان ہوا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اس یادگار موقع پر میری عزیز رعایا کے جیسا باد و برار میرے اطمینان و شرم میں یکجہ میرا یہ فرمان وہ منسلکات جریدہ غیر معمولی کنڈریو۔ بغرض اطلاع عام شائع کیا گیا

۲۴، شہبان اعظم ۱۳۵۵ھ  
شرح و تخط مبارک

## معادہ

جواج تاریخ ۲۲ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء میں جو چھتیس ماہین  
 منجھٹی ملک معظم شہشاہ کشور ہند و لفظت جنرل ہزار گز الیڈ  
 ہائیس آصف جاہ مظفر الملک الملک نظام الملک نظام الدولہ  
 نواب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ یار وفادار  
 برطانیہ جی سی ایس آئی جی بی ای نظام حید آباد (دکن) کھیل پایا۔  
 ہر گاہ ان ممالک محروسہ میں جو ہزار گز الیڈ ہائیس نظام حید آباد

کے اقتدار اعلیٰ کے تحت میں چند علاقہ جات موسوم برار شامل ہیں۔  
 اور ہر گاہ بذریعہ معاہدہ ۵۔ نومبر ۱۹۰۲ء یہ قرار پایا تھا کہ ہر گز  
 ہائیس کے علاقہ جات موسوم بنام برار میں جس ہزار گز الیڈ ہائیس کے اقتدار  
 اعلیٰ کے متعلق اس معاہدہ میں مکررات سارا کیا گیا تھا، سرکار عظمت مدار  
 جس طریق سے مناسب تصور کرے انتظام نظم و نسق عمل میں لائے گی۔  
 اور ہر گاہ ایک ایسے وفاق ہند کے قیام سے متعلق تجاویز پر  
 جو شمل ہوان ریاست ہائے ہند پر جو وفاق مذکور میں شرکت پر رضامند  
 ہوں اور ان صوبجات برطانوی ہند پر جو بطور صوبجات خود مختار قائم ہیں

فائزگان محو ہز محشی و پارلیمنٹ سلطنت متحدہ و برطانوی ہند و الیان ریاست  
ہائے میں مباحث ہو چکے ہیں۔

اور ہر گاہ وفاق ہند کے لئے پارلیمنٹ ایک دستور منظور کیا ہے  
اور وہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں مدون کیا جا چکا ہے لیکن  
اوس میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ قانون مذکور کے مختلف حصے مختلف  
تواریخ سے نافذ کئے جا سکیں گے۔

اور ہر گاہ قانون مذکور کے کسی حکم کا ہز اگزیٹو ہائیس کے کسی علاقہ  
پر ان کی رضامندی و اتفاق کے بغیر اطلاق نہوگا۔

اور ہر گاہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں اس امر کا انتظام  
کیا گیا ہے کہ مابین ہز محشی و ہز اگزیٹو ہائیس ایک معاہدہ بدین غرض طے  
پانے کی صورت میں صوبہ جات متوسط اور برار کا نظم و نسق، جب تک کہ  
ایسا معاہدہ نافذ اہل رہے۔ تحت قانون مذکور بطور ایک گوزر کے صوبہ  
کے مشترکہ طور پر عمل میں آئے گا۔

اور ہر گاہ ہز اگزیٹو ہائیس اس امر کے خواہشمند ہیں کہ ان  
کے علاقہ جات موسوم بنام برار کا نظم و نسق بمعیت ان علاقہ جات  
ہز محشی موسوم بہ صوبہ جات متوسط کے حسب احکام قانون مذکور عمل  
میں آئے اور وہ بمعیت علاقہ جات مذکور اس وفاق کی جو تحت قانون  
مذکور قائم ہونے والا ہے ایک وحدت قرار دی جائے اور بدین  
غرض یہ تفریق مصلحت سمجھا گیا ہے کہ بموجب معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۲ء

ایک نئے معاہدہ کی تکمیل ہو۔

لہذا اب اس تحریر کے ذریعہ سے حسب ذیل قرار کیجاتی ہے  
**فقہ اول**۔ ہنز محبٹی برار ہنز اگزائیٹڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم

اور اس کا کبریا قرار فرماتے ہیں۔

**فقہ دوم**۔ ہنز اگزائیٹڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثاء اور جائینون کی جانب سے بذریعہ ہذا اس امر کا اظہار فرماتے ہیں کہ بتا بعت و مطابقت شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا وہ اپنے ان علاقہ جات کے متعلق جو بنام برار موسوم اور آئندہ تحریر ہذا میں اسی نام سے مذکور ہیں وفاق ہند میں جو تحت قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء تجویز کیا گیا ہے شرکت پر پر رضامند ہیں اور ہنز محبٹی بذریعہ ہذا اس رضامندی کی نسبت اپنی قبولیت کا اظہار فرماتے ہیں۔

**فقہ سوم**۔ ہنز اگزائیٹڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثاء اور جائینون کی جانب سے بذریعہ ہذا قانون مذکور کے ان احکام کے متعلق جن کا برار پر اطلاق ہو اس غرض سے اظہار قبولیت فرماتے ہیں کہ بتا بعت و مطابقت شرائط معاہدہ ہذا اور باوجود اس کے برار پر ہنز اگزائیٹڈ ہائینس کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہے گا برار اور ہنز محبٹی کے وہ علاقہ جات جو صوبہ جات متوسط کے نام سے موسوم ہیں دونوں کا نظم و نسق اس طرح عمل میں آئے کہ گویا وہ ایک ہی صوبہ ہیں جو بنام صوبہ جات متوسط و برار موسوم ہوگا۔ اور ہنز محبٹی اور جملہ دفاتی مرکزی و صوبہ جاتی ادارہ ہائے حکومت

صوبہ جات متوسط و برابر کی نسبت وہ تمام اختیارات و فرایض انجام دین جن کے وہ قانون مذکور کی رو سے یا اس کے تحت حامل ہیں۔

**فقہہ چہارم۔** صوبہ جات متوسط و برابر کے گورنر کا تقرر منجانب ہر مجسٹریٹ بعد مشورہ ہراگنر الٹیڈ ہائینس عمل میں آئیگا۔ اور گورنر جو اختیارات و فرایض تحت قانون مذکور منجانب یا بہ نیابت ہر مجسٹریٹ انجام دے سکیں گے وہ برابر کی حد تک ہراگنر الٹیڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کی بنا پر انجام دیئے جائینگے۔

**فقہہ پنجم۔** برابر میں جب کبھی اور جہاں کہیں گورنر صوبہ جات متوسط و برابر کے احکام کی بنا پر برطانوی چہریم بلند کیا جائیگا۔ تو اس کے پہلو بہ پہلو ہراگنر الٹیڈ ہائینس کا چہریم بھی بلند کیا جائیگا۔

**فقہہ ششم۔** ہراگنر الٹیڈ ہائینس کا یہ حق بذریعہ ہذا تسلیم کیا جاتا ہے کہ حیدرآباد کے اعزازی خطابات باشندگان برابر کو عطا فرمائیں بشرطیکہ ہر مجسٹریٹ کے اُس قائم مقام کا اتفاق قبل از قبل حاصل کیا جائے جو ریاستہائے ہند سے تاج برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تاج کے اختیارات و فرایض انجام دینے کا مجاز ہو۔

**فقہہ ہفتم۔** ہراگنر الٹیڈ ہائینس کے اس حق کو ہر مجسٹریٹ تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ برابر میں دربار منقذ فرمائیں بشرطیکہ ہر مرتبہ ہر مجسٹریٹ کے قائم مقام مذکور کا اتفاق حاصل کیا جائے۔

**فقہہ ہشتم۔** ہراگنر الٹیڈ ہائینس کو اختیار ہوگا کہ ہر مجسٹریٹ کے قائم مقام

مذکورہ کے اتفاق سے گورنر صوبجات و برار کو موزون تقاریب میں سہی  
 شرکت کے لئے حیدرآباد آنے کی دعوت دیں۔

**فقہہ نہم**۔ برار کی مسجد میں ہزار گز الٹیڈ ہائینس کے نام سے خطبہ پڑھے  
 جانے پر ہزار گز الٹیڈ ہائینس کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

دفعہ دہم۔ باوجود اختتام معاہدہ مذکورہ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۲۶ء  
 ہزار گز الٹیڈ ہائینس کے نام سے خطبہ پڑھے جانے پر ہزار گز الٹیڈ ہائینس کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

**فقہہ یازدہم**۔ ہزار گز الٹیڈ ہائینس کو یہ حق ہوگا کہ صوبہ جات  
 متوسط و برار کے متقرر حکومت میں اپنا ایک ایجنٹ بدین اغراض قائم رکھیں  
 کہ وہ کسی ایسے معاملہ سے متعلق اپنی حکومت کے خیالات کی نمائندگی کرے  
 جو صوبہ جات متوسط و برار اور حیدرآباد دونوں کے مشترکہ اغراض پر مشتمل  
 ہو یا جو حیدرآباد کے اغراض پر بلا واسطہ موثر ہو۔ لیکن بجز صورت مصرحہ  
 بالا ایجنٹ مذکور کو صوبہ جات متوسط و برار کے کسی داخلی معاملہ سے کوئی  
 سروکار نہ ہوگا۔

**فقہہ دوازدہم**۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برار نظم و نسق برار  
 میں اپنی اس خاص ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے جو کسی ریاست ہند کے  
 حقوق کی حفاظت سے متعلق ہو ریاست حیدرآباد کے تجارتی و معاشی اغراض  
 کا لحاظ واجب رکھیں گے۔

**فقہہ سیزدہم**۔ گورنر جنرل کو لازم ہوگا کہ مجلس وضع قوانین صوبجات

۱۰  
 متوسط و برار کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برابر ہوتا  
 ہو اور جو ادن کے غور کے لئے مختص کیا گیا ہو نہر مجبھی کے نام سے اپنی منظوری  
 کا اعلان کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اس کا اطلاق  
 برار ہوگا مسودہ قانون کو جو منظور کیا گیا وہ نہراگنرالیٹیڈ ہائینس کے اس معاہدہ  
 کو منظور فرمانے کی بنا پر ہے۔

**فقہہ چہار دہم**۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برار کو لازماً ہوگا  
 کہ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے کسی ایسے مسودہ قانون  
 کی نسبت جس کا اطلاق برابر ہوتا ہو نہر مجبھی کے نام سے اپنی منظوری کا  
 اعلان کرتے ہوئے یا اس قسم کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جو  
 نہر مجبھی کے انہار پسندیدگی کے لئے محفوظ کیا گیا ہو نہر مجبھی کی منظور کرتے  
 ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اس کا اطلاق برابر پر  
 ہوگا مسودہ قانون کو جو منظور کیا وہ نہراگنرالیٹیڈ ہائینس کے اس معاہدہ  
 کو منظور فرمانے کی بنا پر ہے۔

**فقہہ پانزدہم**۔ معاہدہ ہذا میں کوئی امر پر کسی طرح ادن فوجی  
 کفالتوں پر موثر نہیں ہے اور نہ ادن میں تخفیف کرتا ہے جن سے  
 نہراگنرالیٹیڈ ہائینس کسی موجودہ تہ نامہ یا معاہدہ کے تحت مستفید ہو رہے  
 ہیں اور معاہدہ ہذا میں کسی امر کی ایسی تعبیر نہ کی جائیگی جس سے فوجی  
 جمعیت ہوم نہراجمیدر آباد کنٹنٹ کو یا ادس کے جدید قائم مقام جمعیت کو  
 کو برقرار رکھنے کے لئے نہراگنرالیٹیڈ ہائینس پر آئندہ کوئی ایسی ذمہ داری

جو بتایع معاہدہ ہذا موجود عالم کی جائے۔

**فقہہ شانزدہم** مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسطہ و برار کے انتخابات کے متعلق اور بعد قیام وفاق انتخابات کونسل آف ایٹیٹ کے متعلق احکام مندرجہ ذیل کے بموجب عمل ہو گا۔

**الف۔** جس حد تک کہ رائے دہندوں کی قابلیت کسی امتحان کی کامیابی پر منحصر ہو۔ حیدرآباد کے کسی مساوی درجہ کے امتحان کی کامیابی کا برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت وہی اثر ہو گا جو کسی ایسے امتحان کی کامیابی کا ہوتا ہے جو عموماً صوبہ جات متوسطہ و برار میں فی الوقت رائے دہندوں کو رائے دہی کے قابل بناتی ہو۔

**ب۔** جس حد تک کہ رائے دہندہ کی قابلیت کسی فوج باقاعدہ یا کسی جمعیت پوس میں اوس کی یا کسی اور شخص کی شرکت پر منحصر ہو ہنزاکر الیٹڈ ہائینس کے انواج باقاعدہ کی اور جمعیت پوس ریاست حیدرآباد کی رکنیت برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت ایسی ہی تصور کی جائے گی جیسی کہ علی الترتیب ہنز محسٹی کے انواج باقاعدہ کی اور کسی جمعیت پوس برطانوی ہند کی رکنیت تصور کی جائے ہو۔

**فقہہ ہفتم**۔ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے حوالہ جات مندرجہ معاہدہ ہذا کی یہ تعبیر کی جائے گی کہ ان حوالہ جات کا اطلاق قانون مذکورہ پر بشمول ایسی جملہ ترمیمات کے ہو گا جو مابعد کے کسی قانون کی رو سے یا اوس کے تحت ہوئی ہوں۔ لیکن اگر کوئی ایسی ترمیم عمل میں آئے

۱۲  
 جو اس معاہدہ کی کسی شرط کے متناقض ہو یا جس سے یا جس سے قانون  
 مذکور کے کسی حکم مصرحہ ضمیمہ معاہدہ ہذا کی ترمیم ہوتی ہو اور یہ ترمیم  
 ایسی نہ ہو جس کا برابر پر اطلاق ہونا ہر اگرا لیمٹڈ ہائینس نے منظور فرمایا  
 ہو یا جس کا اطلاق صرف علاقہ جات ماسوائے برابر پر ہوتا ہو تو ہر اگرا لیمٹڈ ہائینس  
 ..... کو اختیار ہو گا کہ تاریخ ترمیم مذکور سے چھ ماہ کے اندر کسی وقت  
 اس بارے میں اطلاع دیکر معاہدہ ہذا کو ختم فرمادیں۔

**فقہہ ہیکلڈ ہم معاہدہ ہذا کے بعض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء**  
 نافذ العمل رہیگا۔ اور اس میں بجز رضامندی فریقین کوئی تغیر یا ترمیم  
 نہ ہو سکے گی۔ اور متاجرت شرائط مندرجہ آخر فقرہ سابق کسی ایک فریق  
 کی جانب سے اس وقت ختم نہ کیا جاسکیگا جب تک کہ اس کے محفوظ  
 حقوق فریق ثانی کو پابندی کے ساتھ محفوظ رہیں اور وہ اس تاریخ سے  
 نافذ ہوگا جو حصہ سوم قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے نفاذ  
 کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تاریخ مذکور کے قبل قانون  
 مذکور صوبہ جات متوسط و برابر میں نافذ کرنے کی غرض سے برابر میں ایسے  
 تدابیر اختیار کئے جاسکیں گے جن کا قانون مذکور کی رو سے یا اس کے  
 تحت کسی آرڈران کو نسل رو سے اختیار دیا جائے۔

**فقہہ نواز دہم قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کی دفعہ**  
 (۶) کے احکام کا معاہدہ ہذا پر اطلاق نہ ہوگا اور نہ وفاقی عدالت کا  
 اختیار سماعت کسی ایسی نزاع پر عادی ہوگا جو اس کے تحت پیدا ہو۔

فقہ لستہم - معاہدہ ہذا کا کوئی امر نراگزا لیٹڈ ہائینس کے اُن حقوق پر جو اُن کے علاقہ جات ماسوائے برار سے متعلق ہوں موثر نہ ہو گا اور بذریعہ ہذا اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے حصہ دوم کے احکام کی رو سے جس دفاق ہند کی تجویز ہوئی ہے اس میں شرکت کے متعلق خواہ ہراگزا لیٹڈ ہائینس دستاویز کی تکمیل فرمائیے یا نہ فرمائیں۔ اور خواہ ہر مجبئی ایسی دستاویز قبول فرمائیں نہ فرمائیں بہر حال باقرار نامہ ہذا نافذ عمل رہے گا۔

بہ توثیق امور مصر صدر معاہدہ ہذا پر ہر کلسنی دی موسٹ آریبل  
 دی مارکوئیس آف سن تھگلو۔ بی۔ سی۔ کے۔ ٹی۔ جی۔ ایم۔ ایس۔ آئی  
 جی۔ ایم۔ آئی۔ ای۔ او۔ بی۔ ای۔ ڈی۔ یل۔ ٹی۔ ڈی۔ نے جو ہر مجبئی  
 کے واسطے اور گورنر جنرل کشور ہند ہیں۔ منجانب ہر مجبئی اپنے دستخط  
 ثبت فرمائے ہیں اور لیٹنٹ جنرل ہراگزا لیٹڈ ہائینس آصف جاہ  
 مظفر الملک و الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علی خان  
 فتح جنگ یاروفا دار سلطنت برطانیہ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔  
 جی۔ بی۔ ای۔ نظام حیدرآباد (دکن) اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں

# ضمیمہ

ضمیمہ ہذا میں جہاں صوبہ اور گورنر کا ذکر آئے اُس سے صوبہ جات  
متوسط و برابر اور وہاں کا گورنر مراد ہے)  
قانون کے حصہ اول کا اس قدر جزو جو ہنر مجبٹی سے اور گورنر جنرل  
سے اور ہنر مجبٹی کے اُس قائم مقام سے متعلق ہو جو ریاستہائے ہند سے  
تاج برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تاج کے فرائض و اختیارات  
کے استعمال کرنے کا مجاز ہے۔

حصہ جات دوم و سوم کے محمولہ ذیل احکام۔

دفعہ ۷ - ضمن (۱۱) و ضمن (۲)

دفعہ ۹ ضمن (۳)

دفعہ ۱۲ - ضمن (۲)

دفعہ ۱۳ - ضمن (۱)

دفعات ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ - ۳۹ -

دفعہ ۵۰ - ضمن (۳)

دفعہ ۵۲ - ضمن (۳)

اجو جام احکام امور ذیل کے متعلق ہیں یعنی صوبہ میں وفاق کے انتظامی اختیار کا استعمال، کارروائی منجانب گورنر جنرل یا گورنر بلحاظ اُن کے صوابدید کے یا استعمال اُن کی انفرادی قوت فیصلہ کے، وزیر ہند کا گورنر جنرل پر اور گورنر جنرل کا گورنر پر اختیار نگرانی آرڈر سنسٹر جو گورنر جنرل یا گورنر اپنے صوابدید سے نافذ کرے اور گورنر جنرل و گورنر کے نافذ کردہ فیہ دفعہ ۱۱-ضمن (۱) جس حد تک کہ اس میں یہ محکوم ہے کہ گورنر جنرل مدافعت کے معاملات میں اپنے حسب صوابدید عمل کریں۔

دفعات ۱۲ و ۲۵-جس حد تک کہ اُن کی رو سے دفعہ (۱۲) ضمن (۱) کے فقرات (۱) و (جی) کی متذکرہ خاص ذمہ داریاں گورنر جنرل پر اور دفعہ ۵۲ ضمن (۱) کے فقرات (۱) و (ف) اور (جی) کی متذکرہ خاص ذمہ داریاں نیز وہ خاص ذمہ داری متعلقہ برائے متذکرہ ضمن (۲) (۲) دفعہ مذکور جو گورنر پر عاید ہوتی ہے۔

دفعہ (۳۸) ضمن (۱) اور دفعہ ۸۴ ضمن (۱) کی متعلقہ شرط کا اس قدر حصہ جس میں گورنر جنرل یا گورنر کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے صوابدید کے لحاظ سے امور ذیل کے متعلق قواعد وضع کرے۔

(الف) متذکرہ بالا خاص ذمہ داریوں کی ادائیگی سے متعلق وفاقی یا صوبہ جاتی مجلس وضع قوانین کے ضابطہ کارروائی اور طریق کار کو منضبط کرنا  
(ب) اُن امور پر جو ریاست ہائے ہند سے یا کسی ولایت یا ریاست

۱۶  
 کے حکمران خاندان کے کسی فرد کی ذاتی روش سے متعلق ہوں بحث کرنے یا سوالات پیش کرنے کی تاجد محکومہ بشرط مذکورہ ممانعت۔

اور دفعہ (۳۸) کے مذکورہ ضمن (۱۱) کی شرط کا اُس قدر حصہ جس میں گورنر جنرل کیلئے یہ حکم ہے کہ اُن کے حسب صوابد میاں عرض سے قواعد وضع کریں کہ مداخلت سے متعلق وفاقی مجلس وضع قوانین کے ضابطہ کارروائی اور طریق کار کو منضبط کریں اور صوبہ کے معاملات سے متعلق کسی کارروائی پر جو وہ اپنے حسب صوابد عمل میں لائیں بحث کرنے یا سوالات پیش کرنے کی تاجد محکومہ بشرط مذکورہ ممانعت کی جائے۔

دفعہ ۴۴۔ ضمن (۲) اور دفعہ ۸۶ ضمن (۲) جن کے تحت گورنر جنرل یا گورنر مجاز ہیں کہ وفاقی یا صوبائی مجلس وضع قوانین میں ایسے مباحث پر قیود عاید کریں جو دفعہ ۱۲ ضمن (۱۱) کے فقرہ (۱) اور دفعہ ۵۲ ضمن (۱۱) کے فقرہ (۱) کی تذکرہ خاص ذمہ داریوں کی اطاعت پر موثر ہوتے ہوں دفعہ ۴۷ (جو برائے متعلق ہے)

دفعہ (۱۰۸) جس حد تک کماؤں کی رو سے محکوم ہے کہ ایسے مسودات قوانین یا ترمیمات کی پیشی یا اُن کے متعلق تحریک کے لئے اولاً گورنر جنرل کی منظوری اُن کے حسب صوابد یا گورنر کی منظوری اُن کے حسب صوابد حاصل کی جائے۔ جسے گورنر جنرل یا گورنر کے قوانین یا آرڈیننس کی جو انھوں نے اپنے حسب صوابد پیش کرے ہوں تینج یا ترمیم ہوتی ہو یا جو قوانین یا آرڈیننس مذکور کے مخالف ہوں یا جو عدالت

سے متعلق امور پر موثر ہوں۔

دفعہ (۱۱۰) باستثناء ان صورتوں کے جن میں وہ ایسے قوانین کے وضع کرنے سے متعلق ہوتی ہوں جو لائف بزنس ٹیلیٹی آرمی ایکٹ، آئر فورس ایکٹ، نیول ڈسپلین ایکٹ، لائف پرائسز آر پرائیز کوئٹس پر یا مرافعات مرحومہ پر پوری کونسل باجارت خاص پر موثر ہوں۔

باب اول حصہ نہم جو وفاقی عدالت سے متعلق ہے باستثناء دفعہ (۲۰۶) باب مذکور۔

دفعات ۲۴ و ۶۷۔ دفعہ ۲۲ ضمن (۴)۔ دفعہ ۳۱ ضمن (۷) اور ضمیمہ چہارم جس حد تک کہ وہ ان حلقوں اور اقرارات صالح سے متعلق ہیں جو ایسے اشخاص کو اٹھانے یا کرنے ہوں جو برطانوی رعایا یا ہوں۔

شرح دستخط

میر عثمان علی خان

میرے مواجبہ میں

شرح دستخط ڈی۔ جی۔ میکزی

ریزیڈنٹ متیعہ حیدرآباد

۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

شرح دستخط

## نجد مت

لفنت جبل نیراگز الیڈ ہائیس آصف جاہ نطفہ الملک والما لک نظام الملک  
نظام الدولہ نواب مسعود عثمان علیخان بہادر فتح جنگ یار وفادار  
سلطنت برطانیہ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای نظام حید آباد (دکن)  
میرے معزز ذوی قدر دوست۔

نہر مجبئی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند کی جانب سے مجھے حکم ہوا ہے  
کہ دربارہ معاہدہ جدید مورخہ ۲۴ ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء جو برار کے آئینہ نظم  
و نسق سے متعلق ہے میں یوراگز الیڈ ہائیس کو اس غرض سے مخاطب  
کروں کہ صورت حال واضح اور اس طرح آئینہ غلط فہمی کا سدباب ہو جائے  
نہر مجبئی نہیں چاہتے کہ معاہدے میں کوئی ایسی چیز درج فرمائیں  
جس سے اس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہو سکے  
یا بطور اس کے لازمی نتیجہ کے ایسے تجاویز شریک فرمائیں جو اس صورت  
میں برار کے مابعد کے انتظام کے لئے ہوں تاہم، اس غرض سے کہ شبہ  
کی گنجائش باقی نہ رہے، نہر مجبئی اس امر کی صراحت کر دینا مناسب خیال  
فرماتے ہیں کہ وہ اس معاہدہ میں اس صاف و صریح سمجھوتہ پر شریک  
ہو رہے ہیں کہ اگر آئینہ کسی امر کی وجہ سے معاہدہ کا بد قسمتی سے اختتام  
ہو جائے تو نہر مجبئی کو اختیار ہو گا کہ ایک نئے معاہدہ کی عدم تکمیل کی صورت  
میں یا اس کے تکمیل پالینے تک، نظم و نسق برار کے لئے باوجود

کسی امر کے جو تہہ نامہ جات باتیں ۱۸۶۰ء سے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے برخلاف ہو، ایسے انتظامات جو وہ ضروری تصور فرمائیں قائم کریں۔ اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں لیکن مجھے یہ واضح کر دینے کا حکم ہوا ہے کہ اس سے نہ تو یورگنز الیٹڈ ہائینس کے برابر پراقتدار اصلی کا تسلیم کیا جانا۔ نہ سالانہ رستم پچیس لاکھ روپیہ کی ادائیگی اور نہ کوئی فوجی کفالتیں جن سے اس وقت یورگنز الیٹڈ ہائینس تحت عہد نامہ جات موجودہ متعین ہو رہے کسی طرح متاثر ہونگی اور نہ ہنرمجسٹی یورگنز الیٹڈ ہائینس کی رضامندی کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائیں گے کہ نظم و نسق برابر کے لئے کوئی انتظامات کسی ایسی بنیاد پر قائم کریں جو اس بنیاد سے اصولاً مختلف ہو جو اس وقت قائم ہے۔

یورگنز الیٹڈ ہائینس کی جو اعلیٰ وقت میرے نزدیک ہے اس کا میں انہما کر کرنا چاہتا ہوں اور یورگنز الیٹڈ ہائینس کے مخلص دوست کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔

۱. ۵۰۰۰۰

والٹر رے گورڈن

نئی دہلی۔ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۶ء

حالات ماضی کو سمجھنے کے لئے معرکہ آراء تصنیف

## جنگ ۱۹۳۹ء کیوں ہوئی؟

از جناب شیخ رحمن بخش صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

جنگ ہو رہی ہے۔ سب کو معلوم ہے۔ لیکن کیوں ہو رہی ہے۔ شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ معلوم کرنے کے لئے سب مضطرب ہیں۔ آپ یقیناً چاہتے ہوں گے کہ ہٹلر کے خطرناک ارادے۔ اسکی سازشیں میونخ کا معاہدہ۔ رہائس لینڈ پر جبریہ قبضہ۔ پولینڈ کی تباہی چیکوں کے خلاف انتظامات۔ یورپ کے اس فیوٹلسی کے ابتدائی مظالم۔ اس کے برسر کار آنے کے اسباب و وجوہ معلوم کریں۔ اگر یہ درست ہے تو آج ہی جنگ ۱۹۳۹ء کیوں ہوئی۔

ملاحظہ فرمائیے۔  
نوٹ۔ اٹھ نقشے بھی شامل کتاب ہیں۔ جس سے واقعات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ علاوہ محصول ڈاک  
ملنے کا پتہ۔ عبدالحق اکیڈمی شاہراہ عثمانی۔ حیدرآباد (دکن)